یثرب □ مدینہ النبی

(۱)

مکہ معظمہ سے شمال کی جانب تقریباً دوسومیل (سوا تین سو کلومیٹر) کے فاصلہ پر ایک زرخیز علاقہ میں آبادیوں کا ایک سلسلہ ہے ۔ ان میں سب سے بڑی آبادی[1] کا نام یثرب[2] ہے ۔ اس کے دوطرف دو سنگلاخ ہیں ان کو لابتین[3] کہاجاتا ہے اور حرتین بھی کہلاتے ہیں ۔

---

[1] وکانت یثرب ام قری المدینة وھی مابین طرف قناة الیٰ طرف الجرف ومابین المال الذی یقال لہ البرنی الیٰ زبالة (وفاءالوفاءص ۷ ج ۱)

[2] آنحضرت ﷺ نے یہاں قیام فرمایا تو اس کا نام مدینہ النبی ہوگیا (ﷺ) ۔ کثرت استعمال نے مدینہ النبی کو مختصر کرکے صرف مدینہ کردیا ۔ مگر عاشقان رسول نے محبوب رب العالمین ﷺ کے شہر کے بہت سے نام رکھ ڈالے ۔ طابہ، طیبہ، محبوبہ، مبارکہ، عاصمہ، مرزوقہ، قاصمہ، اکالہ البلدان ۔ غرض اس طرح نوے (۹۰) سے زیادہ نام ہوگئے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو : وفا الوفاءج ۱

[3] لابہ اور حرہ کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں یعنی ایسا سنگلاخ جس کے پتھر اس طرح کے کالے ہوں جیسے کوئی پرانا پتھر مسلسل کالی چھڑنے سے کالا ہوجاتا ہے ۔ (مجمع البحار وقاموس) یہ کئی میل تک چلے گئے ہیں ۔ ان پر نہ کاشت ہوسکتی ہے نہ ان پر آبادی ہے ۔ فوج بھی ان پر نہیں گزر سکتی ۔ یہ دو طرف حفاظت کی قدرتی دیوار یں ہیں۔

جانب مشرق میں تقریباً آٹھ میل تک چھوٹی چھوٹی آبادیوں کا سلسلہ چلاگیا ہے۔ ان کو عوالی کہاجاتا ہے ۔ موضع قبا اسی طرف ہے۔ [4]دوسری جانب بھی اسی طرح کی آبادیاں ہیں ۔ ان کو اسافل کہاجاتا ہے۔[5]

یثرب کے نشیبی حصے میں برسات میں پانی بھرجاتا ہے۔ جس کی وجہ سے یہاں کی آب وہوا مرطوب رہتی ہے۔ یہاں کا بخار"حمیٰ یثرب" پورے عرب میں مشہور ہے ۔ یثرب نام میں آب و ہوا کی خرابی کو بھی دخل ہے ۔ (کیونکہ ثرب جو یثرب کا ماخذ ہے ۔ ملامت کرنے کے معنی میں آتا ہے) اس پورے علاقے میں کاشت ہوتی ہے۔ مگر خاص پیداوار کھجور ہے ۔ کھجوروں کے بڑے بڑے باغات ہیں ۔ یہاں کے کھجور دور دور جاتے ہیں ۔

(۲)

کم و بیش ایک ہزار سال[1] پہلے یمن سے اجڑ کر دو بھائی سرزمین حجاز میں داخل ہوئے اور یہاں آکر آباد ہوگئے۔ ان میں سے ایک کا نام "اوس" تھا دوسرے کانام"خزرج" باپ کا نام حارثہ ماں کانام قیلہ ۔ اس لئے اوس اور خزرج کی اولاد کو بنوقیلہ بھی کہتے ہیں ۔[2]

اب (یعنی آنحضرت ﷺ کے دور مسعود میں) اوس اور خزرج دو قبیلے ہیں جن کی بہت سی

---

[4] مجمع البحارو معجم البلدان

[5] معجم البلدان

[1] سیل عرم سے تباہ ہوکر یا بقول ابن ہشام سیل عرم سے کچھ پہلے اس سیل کے متعلق پیشن گوئی سن کرے سیرة ابن ہشام ص ۷ ج ۱

[2] معجم البلدان و فتح الباری وغیرہ

شاخیں (بطن) الگ الگ نام سے مشہور ہیں (بنونجار، بنو ساعدہ، بنو عمروبن عوف وغیرہ) اس طرح یہ دو قبیلے بہت سے بطنوں میں بٹ گئے۔

یثرب کی آبادی تقریباً چھ ہزار ہے[3] اور اتنی ہی آبادی عوالی اور اسافل کی ہے۔ ان سب کا ایک "دیوتا" ہے، "المناة الطاغیہ"۔

مشلل، مکے اور یثرب کے بیچ میں ایک مقام ہے[4] وہاں اس کا مندر ہے۔ یہ سب المناة الطاغیہ کے بھگت ہیں[5]۔ مگر اصل تیرتھ کعبہ ہے۔ وہاں ہرسال حج کو جاتے ہیں اور ان بتوں کی بھی پوجا کرتے ہیں، جو قریش نے کعبے میں رکھ رکھے ہیں۔ قریش ان کے مہنت ہیں اور یہ سب ان کے ہم مذہب اور ان کے تابع ہیں۔ ان سب کی نسل بھی ایک ہی ہے کیونکہ یہ بھی حضرت اسماعیل اور حضرت ابراہیم علیسلم کو اپنا مورث اعلیٰ[6] مانتے ہیں اور اس بنا پر رشتے

---

[3] ہجرت کے چوتھے سال غزوہ احزاب میں تین ہزار مسلمانوں نے شرکت کی جبکہ ان میں کئی سومہاجرین بھی شامل تھے۔ اس سے یہاں کی آبادی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

[4] قدید کے قریب، والقدید اسم موضع قریب بمکہ معجم البلدان

[5] بخاری شریف ص ۲۲۲ و ص ۲۴۱ وغیرہ

[6] احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ بخاری شریف ص ۴۹۷ باب نسبتہ الیمن الیٰ اسماعیل علیسلم اور قریش سے ان کی رشتہ داری تھی، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، یہ حضرت اسماعیل علیسلم کی اولاد ہیں اگرچہ ماہرین انساب کا خیال یہ بھی ہے کہ قحطان جو اہل یمن کا مورث اعلیٰ ہے وہ حضرت اسماعیل علیسلم کی اولاد میں سے نہیں ہے، اگر یہ صحیح ہے تو اوس اور

داریاں بھی ہیں ۔ یہ سب کاشتکار اور زمیندار ہیں۔ عموماً ناخواندہ، جاہل، کسی وقت یہ اس پورے علاقے کے فرماں روا تھے ۔ اس زمانے کے قلعوں کے اونچے اونچے آثار (کھنڈر) اس وقت بھی موجود ہیں ان کو "اطام یثرب"[7] کہاجاتا ہے ۔

محمد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو اس کا نام مدینۃ النبی رکھ دیا گیا۔ پھر کثرت استعمال کے باعث صرف مدینہ (ادام اللہ شرفہا) کہا جانے لگا ۔

(۳)

خزرج بنو اسماعیل یعنی عرب مستعربہ نہیں تھے بلکہ عرب عاربہ تھے ۔

[7] مورخین نے بیان کیا کہ یہ قلعے زیادہ تر یہود نے بنائے تھے جب وہ تنہا اس علاقے میں صاحب اقتدار تھے۔ اوس اور خزرج یہودیوں کے دور اقتدار میں یہاں آئے ۔ پہلے یہ صرف دو بھائی تھے پھر ان کی اولاد نے ترقی کی ۔ یہود کو حسد ہوا ۔ انہوں نے ان کو ختم کردینا چاہا مگر نتیجہ الٹا نکلا ۔ مقابلہ ہوا تو یہود کا اقتدار ختم ہوگیا اور اوس وخزرج کے قبائل اس علاقے کے حکمراں بن گئے ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو وفاءالوفاءص ۱۲۵ تا ص ۱۳۴ ج ۱ و معجم البلدان (کچھ تفصیل بعد کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیے)

اس علاقہ میں دوسری نسل[1] بنواسرائیل[2] کی ہے جو حضرت موسیٰ علیسلم کو مانتے ہیں ۔ اور یہودی کہلاتے ہیں ۔ یثرب (مدینہ) کے اطراف میں تین تین چار میل کے فاصلے پر ان کے قبیلے آباد ہیں۔ ان میں سے مشہور یہ تین ہیں : بنو قینقاع، بنونضیر اور بنو قریظہ۔ یہ سب

---

[1] یہ حضرت اسماعیل علیسلمکے بھائی حضرت اسحاق علیسلمکی اولاد ہیں ۔ حضرت اسحاق علیسلمکے فرزند رشید حضرت یعقوب علیسلمتھے ان کو اسرائیل بھی کہاجاتا تھا ۔ ان کی اولاد کو بنو اسرائیل کہتے ہیں ۔ حضرت اسحاق علیسلمشام میں رہے۔ حضرت یوسف علیسلمکو مصر میں اقتدار حاصل ہوا تھا تو حضرت یعقوبعلیسلماور ان کے لڑکے مصر چلے گئے۔ حضرت موسیٰ علیسلمکے زمانہ تک ان کی تعداد کئی لاکھ ہوگئی تھی لیکن اب اقتدار کے بجائے طوق غلامی ان کی گردن میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیسلمان کو لے کر مصر نکلے۔ اول یہ پوری قوم تیہ میں رہی ۔ پھر ان کا مرکز شام ہوگیا ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عہد زریں اور مقدمہ سیرة مبارکہ ۔

[2] مدینہ میں بنو اسرائیل کی آمد اور ان کا اقتدار : ایک روایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیسلمکو جب اللہ تعالیٰ نے فرعون کے مقابلہ میں کامیابی بخشی اور تیہ میں جاکر مقیم ہوئے تو انہوں نے دوسرے علاقوں میں مجاہدین بھیجنے شروع کئے جو بزور شمشیر اپنے دین کی اشاعت کرتے تھے اور جو ان کے مذہب میں داخل نہ ہوتا اس کو قتل کردیتے تھے ۔ ان مجاہدین کی ایک فوج یثرب بھیجی ۔ ایک روایت یہ ہے کہ اہل روم کے حملہ کے وقت کچھ لوگ شام سے یہاں چلے آئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ بخت نصر نے جب یروشلم کو تباہ کیا تب یہ لوگ یثرب آئے۔ بہرحال روایتیں اگرچہ متعدد ہیں مگر علماءتاریخ نے ان کو متضاد قرار نہیں دیا کیونکہ ان سب روایتوں کا حاصل یہ ہے کہ موسیٰ علیسلم کے جانشین کے زمانہ سے ان کی آمد شروع ہوئی اس کے بعد مختلف اوقات میں آمد ہوتی رہی ۔ ان

خوش حال ہیں۔ ان کی آبادیاں قلعہ نما ہیں۔ شاداب باغات میں گھری ہوئیں ہر طرح سے محفوظ۔ باغات کے علاوہ ان کے تجارتی سلسلے بھی ہیں اور ان کا سودی کاروبار بھی بہت پھیلا ہوا ہے ۔ اپنی حیثیت میں یہ سب قبیلے آزاد ہیں۔ ان کی مجموعی آبادی بھی یثرب کی آبادی

سیاسی محرکات اور اسباب کے علاوہ ایک مذہبی محرک بھی بیان کیاگیا ہے کہ کچھ باخدا علماءیہود کو جب توریت کے اشارات سے معلوم ہوا کہ نبی آخرالزماں کا ظہور مدینہ میں ہوگا تو وہ یثرب منتقل ہوگئے کہ اگر ان کو نبی آخرالزماں کی زیارت نہ ہوسکے تو کم از کم ان کی اولاد اس سعادت و شرف سے مشرف ہوسکے گی ۔ آنحضرت ؐکے ظہور سے پہلے بنو قریظہ یہی کہا کرتے تھے کہ ان کے بزرگ انہیں پیشن گوئیوں کی بنا پر یہاں آکر قیام پذیر ہوئے تھے ۔

عروج : بنو اسرائیل (یہود) نے یہاں کافی ترقی کی ۔ اس پورے علاقے پر وہ چھاگئے ۔ حکومت بھی تھی اور دولت بھی اور نسلیں بڑھیں تو بیس اکیس قبیلے ان کے ہوگئے اور شام تک انہیں کی بستیوں کی کثرت ہوگئی ۔ وادی قری، تیماءخیبر ان کے اہم اورخاص مرکز تھے۔ اوس اور خزرج یہاں آباد ہوئے تو ان سے معاہدے کرکے اور ان کے حلیف بن کر آباد ہوئے ۔

زوال : یہودیوں میں ایک راجہ (ملک) ہوا جس کا نام فطیون تھا یہ نہایت عیاش اور بدکار تھا۔ اس نے یہ حکم دیا کہ ہر ایک دلہن اس کے عشرت کدہ میں خراج عیش دے ۔ یہود نے اس کو گوارا کرلیا مگر جب اوس اورخزرج کی نوبت آئی تو انہوں نے سرتابی کی۔ اس زمانہ میں قبیلہ خزرج کا ایک سردار مالک بن عجلان تھا اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک کو غیرت آئی وہ اٹھ کر گھر میں آیا اور بہن کو سخت ملامت کی ۔ بہن نے کہا ہاں لیکن کل کو جو کچھ ہوگا وہ اس سے بھی سخت ہوگا ۔ دوسرے دن جب حسب

کہ لگ بھگ تھے ان کے یہاں تعلیم کا انتظام بھی تھا ۔ ایک تعلیمی ادارہ "بیت المدارس" کے نام سے قائم تھا جس میں توریت کی تعلیم دی جاتی تھی ۔ یثرب کے عام باشندے ان کی تعلیمی برتری سے متاثر ہیں ۔ یہاں تک کہ بعض خوش عقیدہ اپنے ہونہار بچوں کو یہود کے حوالہ کردیتے ہیں کہ علمی شائستگی حاصل کرسکیں ۔

اوس اور خزرج کبھی بھائی برادر کی طرح رہے ہونگے، مگر اب وہ جنگجو حریف ہیں ۔ اور تقریباً سوا سو برس سے برابر لڑائی کا سلسلہ جاری ہے ۔ حال ہی میں نہایت خونریز لڑائی ہوئی جو "حرب بعاث" کے نام سے مشہور ہے ۔ اس جنگ میں دونوں قبیلوں کے بڑے بڑے سردار کام آچکے ہیں۔

یہودی ان لڑائیوں میں شریک نہیں ہوتے البتہ ایک کو دوسرے کے خلاف بھڑکاتے رہتے ہیں ۔ پھر ان کی بدحالی سے فائدہ اٹھاتے ہیں ۔ سودی

دستور مالک کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانہ کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ اندر چلا گیا اورفطیون کو قتل کرکے شام بھاگ گیا ۔ یہاں غسانیوں کی حکومت تھی اور ابوجبلہ حکمراں تھا اس کو یہ تکلیف دہ حالات معلوم ہوئے تو وہ لشکر لیکر آیا اور اوس اور خزرج کو انعامات دیئے اور ایک عام دعوت کرکے روساءیہود کو مدعو کیا اور ان کو قتل کرادیا ۔ اب یہود کا زور ٹوٹ گیا۔ اوس اور خزرج نے قوت حاصل کرلی۔ مگر پھر ان دونوں قبیلوں میں جنگ شروع ہوئی جو سو سال سے زیادہ رہی۔ یہود نے ان کو لڑانے میں بھی اپنی تمام چالبازیاں ختم کردیں اور ان کو سودی رقم دیکر ننگا بھی کردیا۔ یہی حالت تھی جب آنحضرت ﷺ کا ظہور ہوا (معجم البلدان ابن ہشام)

قرض دیکر ان کی بہت سی جائیدادیں قبضہ میں لے چکے ہیں ۔

یثرب کے دو لیڈر :

اوس اور خزرج کے بڑے لوگوں میں اب صرف دو باقی رہ گئے تھے ۔ عبداللہ بن اُبَیَّ بن سلولہ قبیلہ خزرج کا رئیس اور لیڈر اور ابو عامر بن صیفی بن نعمانہ قبیلہ اوس کا رئیس و امیرہ[1]

یثرب میں آنے والے نبی کا چرچا

توریت کی پیشن گوئیوں کے موجب یہودی ایک آنے والے نبی کے منتظر تھے وہ اس کی علامتیں بھی بیان کیا کرتے تھے۔ ان یہودیوں میں کچھ خاندان وہ بھی تھے جن کے مورث اور اجداد اسی امید پر یہاں آکر آباد ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں کا ظہور اس سرزمین میں ہوگا۔ مگر وہ تعصب، گروہ پرستی اور صرف اپنے گروہ کو سب سے اونچا اور خدا کا محبوب سمجھنے کا غلط عقیدہ جو ان کے ذہنوں میں رچا ہوا تھا اور ایک جذبہ بن گیا تھا اس نے اس خوش آئند تصور کو اور اس تمنا کو یقین کا درجہ دے دیا تھا کہ آنے والا نبی انہیں کے گروہ میں سے ہوگا۔[2] اس سلسلے

---

[1] وفاءالوفاءص ۱۵۵ ج ۱

[2] ان کی یہ دلیل ایک حد تک معقول تھی کہ صدہا سال سے نبوت انہیں کے گروہ میں چلی آرہی ہے یہاں تک کہ جتنے انبیاءعلیہم السلام کے نام ان کو معلوم تھے وہ سب اسرائیلی تھے ۔ قرآن حکیم نے پوری اہمیت کے ساتھ یہود کے قومی جرائم شمار کراکر اس دلیل کی تردید کی ہے ۔

میں بہت سی روایتیں بھی گھڑلی تھیں۔[2] وہ سمجھتے تھے کہ جیسے ہی وہ نبی ظاہر ہوگا ان کا اقبال نقطۂ عروج پر پہنچ جائے گا ۔ چنانچہ مشرکین یعنی اوس اور خزرج سے کسی بات پر بحث ہوتی یا کسی موقع پر مشرکین کے سامنے زچ ہونا پڑتا تو یہی روایتیں اور پیشن گوئیاں بیان کرکے ان کو مرعوب کیاکرتے تھے کہ "مستقبل کی سربلندی ہمارے لئے ہے"۔ مشرکین اگرچہ ان کے ہم عقیدہ نہیں تھے مگر چونکہ جاہل تھے وہ متاثر ہوجاتے تھے۔ اس طرح ان کے کان آنے والے نبی کے تذکرے سے ناآشنا نہیں رہے تھے ۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہی آشنائی ان کے لئے مشعل راہ بنی۔ [3]

یثرب میں آنحضرت ﷺ کا ذکر خیر

اوس اور خزرج کی طویل جنگ نے ایک فریق کو اتنا دبایا کہ اس نے کسی بڑے طاقتور قبیلے کی مدد حاصل کرنی ضروری سمجھی۔ چنانچہ اس فریق کا ایک وفد زمانے حج میں مکے پہنچا اور اس نے قریش کو اپنا مددگار اور حلیف بنانا چاہا ۔ یہ وفد اس مقصد میں تو کامیاب نہیں

حاصل یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کے تمام طبقات پر فضیلت دی تھی مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ان کے ان قومی جرائم نے ان کو اس فضیلت سے محروم کردیا ۔ سورہ نساءآیات ۴۴ و ۴۶ و ۵۱ تا ۵۴ و آیات ۱۵۳ تا ۱۶۱ وغیرہ

[2] دیکھو آیت ۱۵۳ سورہ آل عمران

[3] دیکھو آیت ۸۸ سورہ بقرہ

ہوا مگر یہ سعادت اس کو ضرور حاصل ہوگئی کہ اس کے ایک رکن (ایاس بن معاذ) داعی حق کی صداءحق کی طرف متوجہ ہوئے ۔ یہ باقاعدہ مسلمان تو نہیں ہوئے مگر دعوت حق کے اثر سے اپنا دامن جھٹک بھی نہیں سکے۔ یہ وفد واپس یثرب پہنچا تو روئیداد سفر میں لامحالہ اس دعوت کا تذکرہ بھی شامل تھا ۔ ایاس اگرچہ آنحضرت ؐکی ہجرت سے پہلے انتقال کرگئے، مگر ان کے خاندان والوں کا یقین یہ تھا کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی ہے کیونکہ وفات کے وقت ان کی زبان پر لاالہ الااللہ اور سبحان اللہ الحمدللہ اور اللہ اکبر کے کلمات جاری تھے ۔[4]

یثرب میں اسلام

اسعد بن زرارہ اور ذکوان بن عبدالقیس مدینہ کے عمائدین میں سے تھے ۔ یہ مکہ کے رئیس اعظم عتبہ بن ربیعہ کے پاس مدد حاصل کرنے کیلئے پہنچے ۔ عتبہ نے کہا ہم خود عجیب پریشانی میں مبتلا ہیں ۔ ہمارے یہاں ایک شخص پیدا ہوگیا ہے، توحید کا قائل ہے، ہمارے دیوتاؤں کی تردید کرتا ہے۔ نمازیں بہت پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں ۔ اس نے ہمارے سارے نظام کو درہم برہم کر رکھا ہے۔ ہمیں خود اپنے سے فرصت نہیں، ہم کسی کی مدد کیا کرسکتے ہیں۔

عتبہ کے اس شکوے نے نفرت کے بجائے ان

---

[4] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۵۸ ج ۱

دونوں کے دلوں میں محمدﷺسے ملاقات کی امنگ پیدا کردی ، یہ عتبہ سے رخصت ہوئے ، ناکہ بندی کی وجہ سے پہنچنا مشکل تھا مگر ان دونوں نے کوشش کی اور کسی طرح آنحضرتﷺتک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ، خدمت میں حاضر ہوئے، گفتگو کی، کلام پاک کی آیتیں سنیں، دعوت اسلام کو سمجھا، دماغ صاف تھا، دل صاف تھا، طبیعت حق کی طرف مائل تھی ، اللہ کے کلام نے اثر کیا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔مدینہ واپس پہنچے تو حضرت اسعد رضی اللہ عنہ نے اپنے دوست ابوالہیثم بن تیہان سے اپنے مسلمان ہونے کا ماجرا سنایا، وہ بھی مسلمان ہوگئے۔ ان دونوں کے متعلق یہ بھی روایت ہے کہ یہ پہلے ہی سے شرک سے بیزار اور توحید کی طرف مائل تھے ۔❷

دو بزرگ اور تھے : رافع بن مالک ازرتی اور معاذ بن عفراء، یہ حج یا عمرہ کے لئے مکہ معظمہ آئے ، اور کسی طرح آنحضرت ﷺسے تبادلۂ خیالات کا موقع مل گیا ، یہ دونوں بھی اسلام سے مشرف ہوگئے ۔❸

یثرب کی پہلی جماعت جس نے دعوت اسلام قبول کی

اہل طائف نے جس سعادت کی قدر نہیں کی، اہل یثرب کی خوش نصیبی نے اس کا استقبال کیا۔ طائف سے واپس ہوکر مطعم بن عدی کی

❷ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۴۶
❸ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۴۶

پناہ میں آنحضرتﷺ مکہ معظمہ پہنچے تو حج کے مہینے شروع ہوچکے تھے ۔ مراسم حج ادا کرنے کے دن آئے تو آنحضرتﷺ نے اپنے دستور کے بموجب قبائل کے کیمپوں اور زائرین کی مجلسوں میں پہنچ کر تبلیغ شروع کی۔ جس سرگرمی سے آپ تبلیغ کرتے تو قریش کا تعاقب اتنا ہی شدید ہوتا تھا۔ خصوصاً ابولہب کی سرگرمی نے دیوانگی کی صورت اختیار کرلی تھی ۔ لیکن قدرت کی کار فرمائیوں کا وہ مقابلہ نہ کرسکا ۔ اسی گرما گرمی میں کچھ پاک نفوس ایسے بھی نکل آئے جنہوں نے متاع جان اس دعوت کے نذر کردی ۔

یہ یثرب کے چھ یا آٹھ آدمی تھے جو حج کے لئے آئے تھے ۔ اور اب مراسم حج کے بموجب ایک جگہ سروں کے بال منڈوارہے تھے ۔ آنحضرتﷺ وہاں پہنچے، کچھ موقع مناسب معلوم ہوا آپ نے اپنی دعوت پیش کرنی شروع کردی ۔ کلام اللہ شریف کی آیتیں تلاوت کیں، سننے والوں کی پاک روحیں متوجہ ہوئیں، ان کے آپس میں کچھ باتیں اشاروں میں ہوئیں :

”یہودی جس نبی کی خبردیا کرتے تھے معلوم ہوتا ہے یہ وہی نبی ہیں۔ بیشک یہ کلام سچا اور اور یہ دعوت برحق ہے ۔ اب ہمیں ہمت کرکے پہل کر دینی چاہئے کہیں ایسا نہ ہو یہودی سبقت کرجائیں اور اقبال مندی کا جوتاج ہمارے سروں کو بوسہ دینے کو تیار ہے، وہ یہودیوں کو میسر آجائے “

اس طرح کی کچھ باتیں ہوئیں۔ پھر سب نے

اپنی گردنیں قبول دعوت کے لئے خم کردیں ۔ ان حضرات نے کلمہ شہادت پڑھ لیا تو آنحضرتﷺ نے فرمایا : میری زندگی کا مقصد اسی دعوت کی اشاعت ہے ۔ مکہ کی زمین میرے لئے تنگ ہوگئی ہے۔ کیا یہ ممکن ہے میں آپ کے ساتھ یثرب چلوں اور یثرب کو دعوت وتبلیغ کا مرکز بنالوں؟ ان حضرات نے عرض کیا : ہم بسروچشم تیار ہیں، مگر فی الحال آپ کا تشریف لے چلنا مصلحت کے خلاف ہے ۔ ہمارے یہاں ابھی ایک سال پہلے بعاث کا نہایت سخت معرکہ ہوچکا ہے، جس کے زخم اب تک ہرے ہیں۔ جذبات برانگیختہ ہیں اور دماغوں میں نفرت بھری ہوئی ہے۔ اس حالت میں آپ کی دعوت صدا بصحرا ہوگی۔ کیونکہ اس وقت دونوں کا جمع ہوناناممکن ہے۔ آپ کسی بھی فریق سے رابطہ پیدا کریں گے تو دوسرا فریق دشمن بن جائے گا ۔ آپ ہمیں موقع دیں۔ ہم یثرب پہنچ کر جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کریں ۔ خدا کرے کوئی اصلاح کی صورت پیدا ہواور فضا ہموار ہوجائے تو آپ کا تشریف لے چلنا مفید ہوگا۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ سال اسی مقام پر حاضر ہونگے اور امید ہے کہ اس وقت تک ہم اس قابل ہوجائیں گے کہ آپ کو یثرب آنے کی دعوت دے سکیں ۔

بات معقول اور ہمدردانہ تھی، آنحضرتﷺ نے منظور فرمالی ۔ان کے اسماءگرامی یہ ہیں:[۵]

---

۵ (الف) ابن سعد نے چند روایتیں پیش کی ہیں اور ہر روایت میں کچھ نام شمار کرائے ہیں ہم نے مکرر نام حذف کردیئے ہیں ۔ ملاحظہ ہو طبقات ابن سعد ص ۱۴۵ تا

(۱) رافع بن مالک (۲)عبادہ بن الصامت(۳) ابو عبدالرحمن یزید بن ثعلبہ (۴) عویم بن ساعدہ (۵) عوف بن حارث بن عفراء(۶) قطبہ بن عامر بن حدیدہ (۷) عتبہ بن عامر بن نابی (۸) جابر بن عبداللہ بن رئاب ۔ (رضی اللہ عنہم)

بیعت عقبہ اولیٰ

وعدہ پورا کرنے کی بہترین مثال ان چھ حضرات نے اپنے عمل سے پیش کی جو گزشتہ سال دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ باہمی نفرت اور بغض و عداوت کے دہکتے ہوئے ماحول میں ان حضرات نے ایسے سلیقے سے کام کیاکہ معرکہ بعاث کے اشتعال انگیز تذکرے کے بجائے ہر ایک گھر میں اسلام اور پیغمبر اسلام کا چرچا ہونے لگا ۔ اور جب حج کا زمانہ آیا تو بارہ افراد نے اپنے آپ کو محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا ۔ مگر یہ پیشی نہایت راز داری کے ساتھ ہوئی۔

مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلے پر منیٰ کا میدان ہے جہاں ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۳ذی الحجہ تک زائرین بیت اللہ کا اجتماع ہوا کرتا ہے۔ اس

ص ۱۴۷ ج ۱ (الجزءالاول من کتاب الطبقات فی السیرۃ الشریفہ النبویہ القسم الاول) (ب) ان حضرات میں سے دو بزرگوں کا تعلق اوس سے ہے : ابو عبدالرحمن، یزید بن ثعلبہ اور عویم بن ساعدہ ....(رضی اللہ عنہم) اور باقی چھ حضرات خزرجی ہیں ۔ (ج) چھ یا آٹھ کی تعداد میں اگرچہ اختلاف ہے مگر اس پر اتفاق ہے کہ ان سب حضرات نے جو اس وقت بیعت ہوئے تھے راہ خدا میں قتل ہوکر درجہ شہادت حاصل کیاہے (الاستیعاب ص ۱۷۹ تذکرہ رافع بن مالک)

وسیع میدان میں وہ جگہ بھی ہے جس کو عقبہ کہتے ہیں، جو شہر مکہ سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے[1] اسی کے قریب ایک گھاٹی میں یہ حضرات جمع ہوتے ہیں ۔ چاندنی رات ہے، نور کی چادر پھیلی ہوئی ہے۔ اسی نورانی فضا میں محمد رسول اللہﷺتشریف لاتے ہیں جو سراسر نور ہیں ۔ آپ خداءواحد کی پرستش کی دعوت دیتے ہیں سننے والوں کی دلوں کی گہرائیوں سے آمنَّا کی صدا بلند ہوتی ہے۔ پھر ان سب سے چھ باتوں کا عہد لیا جاتا ہے :

۱۔ ہم صرف خدا ءِ واحد کی عبادت کیا کریں گے۔ کسی کو اس کا شریک نہیں مانیں گے ۔

۲۔ چوری نہیں کرینگے ۔

۳۔ زنانہیں کریں گے ۔

۴۔ اولاد کو قتل نہیں کرینگے ۔

۵۔ کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے (جھوٹی تہمت نہیں لگائیں گے)۔

۶۔ آپ جس اچھی بات کا حکم فرمائیں گے ہم اس کی تعمیل کرینگے ۔ (نافرمانی نہیں کرینگے)[2]

یہ معاہدہ عمل کرنے کے لئے تھا ۔ عمل کرنے کے لئے معلم اور مربی کی ضرورت تھی۔ ان لوگوں نے معلم کی درخواست کی۔ آنحضرتﷺنے ایک باعمل معلم کو ان کے ساتھ کردیا ۔ یہ سیدنا حضرت مصعب بن عمیر ہیں ۔ دولت مند گھرانے

---

[1] معجم البلدان

[2] بخاری شریف ص ۵۵۰

کے چشم و چراغ ، نازونعم میں پلے ۔ جب گھوڑے پر سوار ہوکر چلاکرتے تھے تو آگے پیچھے ہٹو بچو کہتے ہوئے غلام دوڑا کرتے تھے ۔ بدن پر سیکڑوں درہم سے کم کا لباس نہیں ہوتا تھا، جو طرح طرح کے عطر سے معطر ہوتا تھا مگر جب دولت اسلام سے مالامال ہوئے تو دولت دنیا ان کی نظرمیں گردبن گئی ۔ روح نے وہ لذت پائی کہ سازوسامان بارلگنے لگا۔ اب معلم خیر کا لباس ایک کمبل تھا ۔

مدینہ پہنچ کر حضرت اسعد بن زرارہ کے یہاں ان کا قیام ہوا ۔ اس وقت تک جتنا قرآن نازل ہوچکا تھا وہ لوگوں کو یاد کراتے، سمجھاتے، اس پر عمل کراتے ۔ لوگ ان کو مقری[1] کہاکرتے تھے ۔

نیادار ہجرت :

اب تک حبش دار ہجرت تھا ۔ اس بیعت کے بعد ایک دار ہجرت کا اضافہ ہوگیا ۔ مکہ کو خیرباد کہنے والے اب یثرب آنے لگے ۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارادہ ہجرت :

ماہ شوال ختم ہورہا تھا۔ ذی قعدہ[2] شروع

---

[1] ابن سعد واستیعاب وغیرہ

[2] بخاری شریف وغیرہ کی روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چار ماہ تک ان سانڈنیوں کو گھر پر رکھ کر چارہ کھلاتے رہے جن کو آپ نے سفر ہجرت کے لئے خریدا تھا ۔ سفر ہجرت ربیع الاول کے آغاز میں ہوا تو ان سانڈنیوں کو شوال کے آخر یا ذیعقدہ کے شروع میں خریدا ہوگا ۔

تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت کا ارادہ کرلیا ہ اجازت لینے کے لئے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، آپ نے فرمایا : کچھ توقف کیجئے ، امید یہ ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد سنا تو تعجب ہوا[3] مکرر دریافت کیا ، کیا آپ کو یہ توقع ہے میرے ماں باپ آپ پر قربان؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا : ہاں، امید تو یہی ہے ۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے اس سے زیادہ مسرت کی بات کیا ہوسکتی تھی کہ شرف رفاقت حاصل ہو ، آپ نے اس وقت ارادہ ملتوی کردیا اور اپنے آقا کے ساتھ سفرکرنے کی تیاری شروع کردی ، فوراً دو عمدہ سانڈنیاں خریدلیں[4] اور اس خیال سے کہ نہ معلوم کس وقت حکم ہوجائے ، ان سانڈنیوں کو چرواہے کے حوالہ نہیں کیا بلکہ گھر پر کھڑا رکھا اور بازار سے چارہ خرید کر کھلاتے رہے ، اس انتظار میں چار ماہ گزرگئے ، اس اثناءمیں بیعت عقبہ ثانیہ بھی ہوئی جس کا ذکر آگے آئے گا ۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دو سانڈنیاں ہی نہیں خریدیں بلکہ سفر کا نقشہ ذہن میں جماکر ضرورت کی تمام چیزیں فراہم کرلیں حتیٰ کہ سفر میں ایک تحریر لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو تحریر کا تمام سامان ساتھ تھا ، ٹھنڈے پانی کا

---

[3] ابھی تک بیعت عقبہ ثانیہ نہیں ہوئی تھی جس میں آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی گفتگو ہوئی اور حضرات انصار سے عہد لیاگیا ۔

[4] بخاری شریف ص ۵۵۳

اور نہ صرف پانی بلکہ آنحضرتﷺکو پانی پلانے کے برتن کا بھی یہ انتظام تھا کہ اس کے منہ پر کپڑا باندھا رہتا تھا ۔ جیساکہ سراقہ جعشم کے واقعے میں آئندہ معلوم ہوگا ۔ (انشاءاللہ (

بیعت عقبۂ دوم

پچھلے سال چھ مسلمانوں کی کوشش سے یثرب کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہونے لگا تھا۔ اس سال حضرت مصعب بن عمیر مقری ضاللہعنہ کی رہنمائی میں بارہ حضرات نے کوشش کی تو نہ صرف یثرب بلکہ یثرب سے باہر موضع قبا تک اسلام پہنچ گیا ۔

اسلام کیا تھا ؟ صرف کلمۂ توحید پڑھ لینا ؟ بیشک قانونی اور فقہی نقطۂ نظر سے کسی کو مسلمان قرار دینے کے لئے یہی کافی ہے ۔ لیکن سیدنا مصعب بن عمیر جس کا درس دے رہے تھے وہ قانونی نمائش سے بہت بلند تھا ۔ حضرت مصعب بن عمیرضاللہعنہ کا مکتب، مکتب عشق تھا ۔ یہاں ایثار اور فدائیت کا درس دیاجاتا تھا ۔ مشائخ طریقت کے یہاں درجۂ فنا آخری منزل ہے یہ حضرت مصعب ضاللہعنہ کی خانقاہ کا پہلا سبق ہوتا تھا ۔

قرآن حکیم نے مومن کی شان یہ بتائی ہے :

وَالَّذِ یۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ (البقرہ ۱۶۵) [1]

اور آنحضرتﷺکا ارشاد ہے :

لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ و

---

[1] جو ایمان لائے وہ بہت مضبوط ہوتے ہیں اللہ کی محبت میں

ولد والناس اجمعین❷

حضـــرت مصـــعب ضـــللعن کی دعـــوت کی خصوصـیت ی تھی ک جیسـ ی زبـان پـر کلم توحید جاری وتا، دل ک خلوت کد میں عشـق و محبت کی شـمع روشـن وجـاتی جـو ن صـرف ظلمت دور کرتی بلک انانیت کو بھی فنا کردیـتی تھی ۔

آنحضـرت کـو یـثرب میں تشـریف لان کی دعوت دینا صرف ایک معزز مان کـو بلانـا نیں تھـا بلک ایـک یبت انگـیز اور حـد سـ زیـاد پرخطراقدام تھا آپ کو تشـریف لان کی دعـوت دینا ایک عظیم ترین انقلاب کو دعـوت دینـا تھـا ۔ یعنی ایسی حاکمیت کو تسـلیم کرنـا تھـا جس ک مقـابل میں رایـک حـاکمیت ختم ور ی تھی اوس اور خـــزرج ک روســـااور شـــیوخ خصوصـــاً عبـداللہ بن ابی بن سـلول رئیس خـزرج اور ابـو عـامر بن صـیفی بن نعمـان رئیس اوس، جـو ن صـرف حـاکمیت بلک ملـوکیت اور بادشـات ک خواب دیکھ ر تھ، آپ کا مـدین تشـریف ل آنـا ان سب ک لئ پیغام ناکامی تھا، جـو ان سـب ک لئ مـایوس کن تھـا، جـو ان کی حـاکمیت تسـلیم کـران ک لـئ ایسـ سـرگرم اور پرجـوش تھ ک عبداللہ بن ابی بن سلول ک لئ شـان تـاج کی تیـاری کی فرمـائش بھی د چک تھ ۔ دوسـری طـرف آپ کی تشـریف آوری قـریش کی ناکـامی

---

❷ کوئی مومن کلان ک لائق نیں وسکتا جب تـک میں اس کو باپ اولاد اورتمـام انسـانوں سـ زیـاد محبـوب ن وجاؤں ۔

تھی اور تشریف آوری کی دعوت دینا قریش جیسی جماعت کے مقابلہ پر سینہ سپر ہونا تھا، جس کی عظمت کی چھاپ ہر ایک عربی بولنے والے کے دل پر تھی اور جس کی ناکامی پورے عرب کی ناکامی تھی ۔ اس کے علاوہ اقتصادی مسائل بھی نہایت اہم تھے ۔ مثلاً محمد رسول اللہ کے جاں نثار جو اہل و عیال کو ساتھ لے کر آئیں گے ان کی ضروریات زندگی کس طرح فراہم ہوں گی ۔

یہ تمام مسائل تھے۔ جو ایمان لانے والے تھے وہ دانشمندتھے۔ ان تمام باتوں کو سمجھتے تھے، مگر ان کے ایمان کی حرارت اس طرح کے تمام خطرات کے لئے برق خرمن سوز تھی :

عشق چوں خام ست باشد
بستہ ناموس وننگ
پختہ مغزان جنوں را کہ
حیا زنجیر پا ست
با ہر کمال اندکے آشفتگی
خوش ست
ہر چند عقل کل شدہ بہ
جنوں مباش

یہ نو مسلم تھے ان کا اسلام نیا تھا۔ مگر یہ نیا اسلام سراسر عشق تھا، جس نے محبوب کے لئے ہر ایک قربانی اور ایثار کو محبوب بنادیا تھا :

یہ شہادت گہ الفت میں
قدم رکھنا ہے

لوگ آسان سمجھتے ہیں
مسلمان ہونا

حج کا زمانہ آیا ۔ اوس اور خزرج کے تقریباً پانچ سو افراد حج کے لئے روانہ ہوئے۔ یہ اہل ایمان بھی اس عزم کے ساتھ روانہ ہوئے کہ محبوب رب العالمین کو دعوت دیں کہ وہ مکہ کی خشک پہاڑیوں کو خیرباد کہیں اور یثرب کے سبزہ زار کو ایمان کا کشت زار بنائیں ۔ لیکن یثرب کے سربراہ جو قریش کے ہم مشرب وہم نوا تھے اس جرائت کیلئے تیار نہیں تھے جس میں قریش سے براہ راست تصادم تھا لہذا ان فدا کاروں نے اپنے منصوبہ کو پوشیدہ رکھا ۔ ان کی تعداد تہتر تھی۔[1] ان میں دو عورتیں تھیں تیس نوجوان باقی ادھیڑ عمر ۔

مکہ پہنچ کر بھی اس منصوبہ کوراز ہی رکھا اور رازداری کے ساتھ ہی تاریخ، وقت اور مقام طے کیاگیا ۔

۱۱ ذی الحجہ[2] کی رات چاند آدھی مسافت طے کرچکا لوگ سوگئے تو طے کردہ خفیہ قرار داد کے بموجب اسلام کے یہ جان نثارفرداً فرداً روانہ ہوئے۔[3] اور اسی گھاٹی میں پہنچے جہاں

---

❶ ابن ہشام ص ۲۶۶ ج۱ ابن اسحاق نے ان کے نام بھی شمار کرائے ہیں ص ۲۷۳ تا ص ۲۷۹ ج ۱

❷ وسط ایام التشریق لیلة النفرالاول اذاهدأت الرجل (ابن سعد ص ۱۴۹ ج ۱) فتسلل تسلل القطامستخفین (ابن ہشام ص ۲۶۶ ج ۱)

❸ سب سے پہلے رافع بن مالک زرقی رضی اللہ عنہ باریاب ہوئے ۔ ابن سعد ص ۱۴۹ ج ۱

گزشتہ سال بیعت ہوئی تھی ۔ سرورکائنات محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ وہاں رونق افروز ہوچکے تھے ۔

یہ بھی خواجہ ابوطالب کی طرح آنحضرت ﷺ کے سچے بہی خواہ، محافظ اور جان چھڑکنے والے مددگار تھے اور اگرچہ عمر میں صرف دوسال بڑے تھے مگر خود کو اپنے عزیز بھتیجے کا سرپرست سمجھتے تھے[1] اور تجارتی کاروبار کے باعث باہر آنا جانا رہتا تھا تو قبائل سے واقف تھے، شیوخ قبائل سے تعلقات تھے ان کو جانتے پہچانتے تھے ۔ اس تعارف کے ساتھ خوبی یہ تھی کہ بات کرنے کا بھی اچھا سلیقہ تھا۔ چنانچہ جب آنے والے آگئے تو سلسلہ کلام آپ نے ہی شروع کیا :

آپ جس ارادے سے آئے ہیں یقین ہے کہ اس کی ذمہ داری کا بھی آپ صاحبان نے بخوبی اندازہ کرلیا ہوگا۔ محمد کی حمایت پورے عرب کی مخالفت ہے۔ محمد اپنے خاندان کے سب سے زیادہ باعزت رکن ہیں ۔ خاندان کا ہر فرد ان کی حفاظت کے لئے سربکف رہتا ہے جو ان کے ہم نوا ہوگئے ہیں وہ ہم نوائی کی وجہ سے اور جو ان کے ہم نوا نہیں ہوئے ہیں وہ خاندانی حمایت، قرابت اور خود ان کے اخلاق و کردار کی وجہ سے ان کے جاں نثار ہیں ۔ محمد کی حفاظت سے ہم

[1] تعمیر کعبہ کے وقت جب پتھر ڈھورہے تھے تو آپ نے اسی بزرگانہ شفقت کی وجہ سے بھتیجے حضرت محمد ﷺ کو فرمائش کی تھی کہ لنگی کھول کر مونڈھے پر رکھ لیں تاکہ پتھر کی رگڑ نہ لگے ۔

نے اکتائے ہیں نہ تھکے ہیں، محمد نے خود ہی آپ کی دعوت منظور کی ہے اور وہ ہم سے الگ ہوکر آپ کے یہاں جانا چاہتے ہیں ۔

آپ پوری طرح غور کرلیں، اپنی طاقت اورہمت کا موازنہ کرلیں ۔ پورے عرب کی متحدہ طاقت سے آپ کو مقابلہ کرنا ہوگا ۔ سارا عرب ایک کمان سے آپ پر پتھر برسائے گا۔ کیا آپ میں مقابلہ کی طاقت ہے؟ آپ صاحبان کو لڑائیوں کا تجربہ ہے؟ کیاآپ لوگ نامعلوم مدت تک پامردی اور استقلال سے پورے عرب کے مقابلہ میں ثابت قدم رہ سکیں گے؟ صاف بات اچھی ہوتی ہے پوری طرح سوچ لو جدا ہونے سے پہلے پختہ فیصلہ کرلو ۔ بعد کی شرمندگی سے اس وقت کی صاف بات ہزار درجہ بہتر ہے۔❷

حضرت عباس ضﷲعنہ کی بات ختم ہوئی تو حضرت براءبن معرور ضﷲعنہ❸ نے مجمع کی

---

❷ ابن سعد ص ۱۴۹ ج۱

❸یہ سب سے زیادہ سن رسیدہ اور اپنی جماعت کے سردار تھے۔ سیدنا وکبیرنا (کعب بن مالک ضﷲعنہ)(سیرة ابن ہشام ص ۲۶۴ج ۱) مگر آنحضرت ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری سے ایک ماہ پہلے وفات پاچکے تھے (فتح الباری)

لطیفہ : جب یہ حضرت (براءبن معرور ضﷲعنہ) یثرب سے روانہ ہوئے تو راستہ میں سوال یہ پیدا ہوا کہ نماز کس رخ پر پڑھنی چاہئے ۔ شام کا رخ کرکے یا کعبہ کا رخ کرکے ۔ سب کی رائے ہوئی کہ شام کی طرف ۔ مگر حضرت براء ضﷲعنہ نے طے کیا کہ وہ کعبہ کی طرف نماز پڑھاکرینگے ۔ راستہ بھر یہی رہا کہ ساتھی شام کی طرف نماز پڑھتے رہے اور یہ کعبہ کی طرف ۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے استفسار کیا تو آنحضرت ﷺ نے شام کی طرف نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی ۔ (سیرة ابن ہشام ۲۶۴۔۲۶۵ ج ۱)

ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا : آپ نے جو فرمایا ہم پہلے سے ہی سمجھے ہوئے ہیں ہم وفاداری، سچائی اور رسول اللہ ﷺ کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کردینے کا عزم مصمم لے کر یہاں آئے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں حضرت والا (جن کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کر ہم یہاں آئے ہیں) وہ خود فرمائیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں ۔

آنحضرت ﷺ نے کلام پاک کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں، پھر فرمایا: میں

(الف) اپنے رب (پروردگار) کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ صرف اُسی "وحدہٗ لاشریک لہٗ" کی عبادت کرو ۔ اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو ۔

(ب) اپنی ذات اور اپنے صحابہ (ساتھیوں) کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ ہمیں رہنے کو جگہ دو، ہماری مدد کرو اورجس طرح تم اپنی جانوں کی حفاظت کرتے ہو ہماری بھی حفاظت کرو ۔

ایک روایت میں ہے کہ جس طرح اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو ہماری حفاظت کرو ۔

مجمع نے دریافت کیا : ہمیں کیا ملے گا، [1] فرمایا : "جنت" [2]

---

[1] مسندامام احمد ص ۱۲۰ج ۳ وسیرة ابن ہشام ص ۲۶۶ ج ۱

[2] کسی دنیاوی ترقی یا برتری کا وعدہ نہیں ہے جوکچھ ہو آخرت کے لئے ہو صرف اسی کا وعدہ ہے اور یہی نصب العین ہے ۔ محمد میاں عفی عنہ

اس کے بعد جوابی تقریر یں شروع ہوئیں ۔

(۱) سیدالقوم حضرت براءبن معرور رضی اللہ عنہ نے دست مبارک پر اپنا ہاتھ رکھا اور عرض کیا : یقیناً ہم اسی طرح حفاظت کرینگے۔ ہم کسی کے مقابلے سے جان چرانے والے نہیں ہیں ۔ (ہم ابناءالحروب ہیں) لڑائیوں کی گود میں پلے ہیں ۔ آباؤاجداد سے یہی ترکے میں ملا ہے ۔

(۲) عباس بن عبادہ بن نضالہ انصاری رضی اللہ عنہ مجمع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

حضرات!آپ سمجھتے ہیں کیا ہورہا ہے ۔ ہم عہد کررہے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺکی حمایت میں پوری دنیا کا مقابلہ کرینگے۔ ہر ایک گورے اور کالے کے مقابلے میں سینہ سپر ہونگے، جانیں قربان کرینگے۔ مال لٹائیں گے ۔ ہمارے سردار مارے جائیں گے، کیا ہم تیار ہیں؟ اگر ایسا نہ کرسکیں تو کل کے بجائے آج الگ ہوجائیں ۔ آج دامن بچالینا کل کی رسوائی سے بہت بہتر ہے ۔

(۳) حضرت ابو الہیثم تیہان : یارسول اللہ! گستاخی معاف ۔ ایک بات واضح کرنی ہے : یہودیوں اور دوسرے قبائل سے ہمارے تعلقات ہیں۔ یہ تعلقات اب باقی نہیں رہیں گے۔ مگر ایسا تو نہ ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب فرمادے آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے لوگوں میں چلے جائیں ۔

آنحضرت ﷺنے یہ الفاظ سنے تو مسکراتے ہوئے فرمایا:

یہ نہیں ہوسکتا ۔ آپ کا خون میرا خون، آپ

کی ناکامی میری ناکامی، میں آپ کا آپ میرے، جن سے تمہاری جنگ ان سے میری جنگ، جن سے تمہاری صلح ان سے میری صلح ۔

اس کے بعد سلسلہ بیعت شروع ہوا ۔ حضرت براءبن معرور رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیعت کی۔[1] بیعت میں اسی عہد کو دہرایا گیا[2]و پہلی بیعت (عقبہ اولیٰ) کی بیعت کے وقت کیاگیا تھا کہ (ا) خدا واحد کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرینگے (۲) اللہ کا کسی کو شریک نہیں گردانیں گے (۳) چوری نہیں کرینگے (۴) زنا نہیں کرینگے (

---

[1] ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنو نجار کا دعویٰ ہے کہ سب سے پہلے حضرت اسعد بن زرارہ نے بیعت کی اور بنوعبدالاشہل کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت ابوالہیثم بن تیہان نے بیعت کی۔ مگر ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ یہ حضرات بہت پہلے مسلمان ہوچکے تھے اس وقت ان حضرات نے مکرر بیعت کی ۔ نئے بیعت کرنے والوں میں اس وقت حضرت براءہی تھے رضی اللہ عنہم، واللہ اعلم بالصواب ۔

[2] سورہ ممتحنہ میں آنحضرت ﷺ کی فرمائش کی گئی ہے کہ جو عورتیں ہجرت کرکے آئیں ان سے آپ بیعت لیجئے ۔ اس بیعت میں انہیں چھ چیزوں کا تذکرہ ہے۔ اس مناسبت سے اس بیعت کو بیعت نساءکہتے ہیں ۔ مردوں سے اس موقع پر انہیں باتوں کا عہد کرایا گیا ۔ اس کے بعد بہت سے موقع آئے ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے خاص اس موقع کے لحاظ سے صحابہ کرام سے بیعت لی ہے۔ مثلاً ایک مرتبہ اس پر بیعت لی اور عہد کرایا کہ کسی سے کوئی سوال نہیں کرینگے ۔ ایک مرتبہ اس پر بیعت لی کہ ہر ایک کے حق میں خیرخواہی کرینگے ۔ (بخاری شریف ص ۱۳) یامثلاً حدیبیہ کے موقع پر بیعت لی گئی، جس کو بیعت رضوان کہاجاتا ہے کہ مرجائیں گے مگر میدان سے نہیں ہٹیں گے ۔

۵) اپنی اولاد کو قتل نہیں کرینگے (۶) کسی پر بہتان نہیں باندھیں گے، جس اچھی بات کا حکم کیا جائے گا تعمیل کرینگے(نافرمانی نہیں کرینگے)۔

اس کے علاوہ یہ بھی عہد لیاگیا :

(۷) کسی کو ناحق قتل[3] نہیں کرینگے (۸) لوٹ نہیں ڈالیں گے[4] (۹) ہر موقع پر حق بات کہیں گے، کسی کی مذمت و ملامت کا خوف

---

[3] ولا تقتلو النفس التی حرم اللہ الابالحق ولا ننهب و لانعصی ۔ بخاری شریف ص ۵۵۰۔۵۵۱

[4] یاد رکھئے غنیمت کو لوٹ نہیں کہا جاسکتا ۔ لوٹ کو آنحضرت ﷺ نے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے ۔ جس طرح مثلہ (ناک کان کاٹ ڈالنے) سے منع فرمایا ایسے ہی (لنهبہ) لوٹ سے منع فرمایا : اس پر بیعت لی کہ لوٹ نہیں ڈالیں گے۔ (بخاری شریف ص۳۳۶) لوٹ ڈالنے والے کے متعلق فرمایا : لیَس مناسیکا (ابوداؤدشریف) گویا وہ مسلمان ہی نہیں ہے ۔ لوٹ کا مقصد ذاتی مفاد ہوتا ہے ۔ خوف خدا جماعتی نظم یا امانت اور دیانت کا کوئی ضابطہ لوٹ میں نہیں ہوتا ۔ غنیمت میں یہ تمام باتیں شرط ہوتی ہیں۔ غنیمت میں جو کچھ لیاجاتا ہے وہ پوری احتیاط اور دیانتداری کے ساتھ جمع کرایا جاتا ہے ۔ ایک شخص میدان جنگ میں مارا گیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا : هوفی النار (یہ دوزخ میں گیا)۔ صحابہ ؓ کو تعجب ہوا سامان کی تلاشی لی تو ایک عبا (اچکن) برآمد ہوئی جو مال غنیمت میں سے بلااجازت اس شخص نے رکھ لی تھی۔ (بخاری شریف ص ۴۳۲) انتہا یہ کہ جوتے کے تسمے کے متعلق بھی یہی ارشاد ہوا شراک و شراکین من نار (بخاری شریف ص ۶۰۸) غنیمت کے متعلق یہی کہاجاسکتا ہے کہ غنیمت کے مال کو سرکاری طور پر ضبط کرلینے کانام غنیمت ہے۔ کچھ ناآشنا ادب مصنف جو بظاہر اپنا درجہ حضرات صحابہ ؓ سے کم رکھنا نہیں چاہتے وہ غنیمت کے لئے بلاتکلف لوٹ کا لفظ استعمال کرتے ہیں ۔ معاذ اللہ

ہمیں کبھی بھی حــق بــات کہنے ســے نہیں روک سکے گا۔ (۱۰) جب رسول اللہ یــثرب تشــریف لے آئیں گے تــو اپــنی اولاد اور خــود اپــنی جــانوں کی طرح ان کی حفاظت کرینگے ۔[1] ان سب باتوں کــا بدلہ جنت ہوگا ۔[2]

بارہ نقیب :

آنحضـــرتؐ نے اس جمـــاعت میں بـــارہ نقیب منتخب فرمائے تــاکہ حــالات[3] کی نگــرانی رکھیں۔ ان کے نام خــود انصــار نے پیش کــئے تھے ۔ ان میں ســے نــوخزرج کے تھے اور تین اوس کے ۔ بــروایت ابن اسحاق[4] ان کے نام یہ ہیں :

ابوامـــامہ، اســـعد بن زرارہ، ســـعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک، براءبن معــرور، عبداللہ بن عمرو حرام، عبادہ بن صامت، سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو بن خنیس، اسید بن حضــیر، ســـــعد بن خیثمہ، رفـــــاعہ بن عبدالمنـــــذر (ضنللہعلیہمجمعین)

جلسہ ختم ہوا ۔ سب حضرات اپنی اپنی قیام گاہوں پر خاموشی سے واپس ہوگــئے۔ طے یہ ہوا کہ صبح سویرے الگ الگ اپنی اپنی قیام گــاہ ســے مدینہ روانہ ہوجائیں گے ۔

---

[1] بہیقی بحوالہ البدایہ والنہایہ ص ۱۶۳
[2] بخاری شریف ص ۵۵۱
[3] لیکونوانقبآء علیٰ قومہم بمافیھم (ابن ہشام ص ۲۶۷ ج ۱)
[4] ســیرۃ ابن ہشــام ص ۷۶۲ ج ۱ حضــرت کعب بن مالــک ضللہعنہ نے ایک قصیدہ میں ان سب ناموں کــو جمــع کردیــا ہے (ص ۸۶۲ ج ۱ ابن ہشام)

حضرات نقباءکا تعارف اور مختصر حالات

حضرت اسعد بن زرار رضی اللہ عنہ :

کنیت ابوامامہ ہے یہ سب سے کم عمر تھے مگر اسلام میں سب سے مقدم، جیساکہ پہلے گزرچکا ہے، سب سے پہلے یثرب میں اسلام کا تعارف انہیں کے ذریعے ہوا ، پھر ہر بیعت کے موقع پر حاضر اور ہر بیعت میں شریک رہے ۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مبلغ اور معلم بن کر آئے تو انہیں کے یہاں قیام رہا ۔ دعوت و تبلیغ میں ان کے شریک رہے ۔ نمازجمعہ کا سلسلہ بھی آپ ہی نے شروع کیا ۔ مگر عمر نے وفانہیں کی ۔ ابھی مسجد نبوی کی تعمیر ہورہی تھی کہ وفات ہوگئی ۔ آنحضرت ﷺ بار بار مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے ۔ علاج میں بھی شریک مشورہ رہے ۔ آنحضرت ﷺکے تشریف لے جانے کے بعد مدینہ میں سب سے پہلے انہیں کی وفات ہوئی ۔ خود آنحضرت ﷺنے نماز جنازہ پڑھائی ۔ یہ سب سے پہلی نماز جنازہ تھی جو پڑھائی گئی ۔ (الاستیعاب واصابہ) یہودیوں نے طعنہ دیا کہ محمد اپنے ساتھی کو بچا نہ سکے تو اور کیا کرسکیں گے ۔ (مسنداحمد)

حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ :

آنحضرت ﷺنے حضرت عبدالرحمن بن عوف

رضی اللہ عنہ مہاجر سے مواخاۃ (برادرانہ رشتہ) قائم فرمایا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ میں انصار میں سب سے زیادہ خوش حال اورصاحب جائیداد ہوں۔ آدھی جائیداد آپ کی ہے اور میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جس کو آپ مناسب سمجھیں مجھے بتادیں، میں طلاق دیدوں گا آپ نکاح کرلینا ۔ عبدالرحمن نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ آپ کے اہل اور مال میں برکت دے ۔ مجھے تو (زیادہ چلنے والا) بازار بتادیجئے ۔ میدان احد میں معرکہ ٹھنڈا ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سعد بن ربیع کو تلاش کرو ۔ یہ میدان میں پڑے ہوئے تھے ۔ بارہ زخم جسم مبارک پر تھے ۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو تلاش کرنے گئے تھے ان سے کہاکہ آقا دوجہاں سے میرا سلام عرض کردینا اور مسلمانوں کو یہ پیغام پہنچادینا کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی زندہ رہ گیا اور سرتاج دوعالم شہید ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی کوئی معذرت قابل قبول نہیں ہوگی ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں ان کی صاحبزادی آئیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر بچھادی ۔ اس پر ان کو بٹھایا اور حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا یہ ان کی صاحبزادی ہیں جو مجھ سے بھی بہتر تھے اور تم سے بھی وہ آنحضرت ﷺ کے سامنے راہ خدا میں قربان ہوگئے اور میں بھی زندہ ہوں اور تم بھی زندہ ہو (الاصابہ)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ :

شاعر تھے ۔ ان کے ترانے بڑے شوق سے سنے جاتے تھے اور پڑھے جاتے تھے ۔ خود آنحضرت ﷺ کو بھی دلچسپی ہوتی تھی ۔ صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ حسب معاہدہ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ میں آنحضرت ﷺ کے آگے یہ ترانہ پڑھتے جارہے تھے :

خلوابـــــنی الکفـــــار عن ســــــبیلہ　　الیوم نضربکم علی تـــنزیلہ
ضـــرباً یزیـــل الھـــــام عن مقیلہ　　ویذھل الخلیل عن خلیلہ

ترانہ کا مفہوم یہ ہے کہ "کافر بچو! راستہ سے ہٹ جاؤ، آج ہم بزور شمشیر اپنے آقا کو یہاں اتاریں گے، ہماری شمشیرزنی ایسی ہوگی جو کھوپڑیوں کو گردنوں سے اڑادے گی اور دوست کو دوست سے جدا کردیگی"۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت مقداد بن الاسود سے رشتہ اخوت قائم کیا تھا۔ وہ بھی ایسے ہی جوشیلے تھے۔ جاں باز عبداللہ بن رواحہ نے غزوہ موتہ میں جام شہادت نوش کیا ۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ :

مدینہ کے سب سے پہلے مسلمان ہونے والے ہیں ۔ پہلی بیعت میں بھی شریک تھے جس میں چھ یا آٹھ آدمیوں نے بیعت کی تھی، پھر بارہ اور

سترمیں بھی شریک تھے ۔ جتنا قرآن اس وقت تک نازل ہوا تھا سب حفظ کرلیا تھا ۔ غزوہ احد میں درجہ شہادت حاصل کیا ۔ (استیعاب واصابہ)

حضرت براءبن معرور رضی اللہ عنہ :

جب یہ قافلہ مکہ جارہا تھا تو راستہ میں اور ساتھیوں نے بیت المقدس کی طرف رخ کرکے نماز پڑھی مگر انہوں نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی ۔ اس لئے کہاجاتا ہے کہ سب سے پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے کعبہ کی طرف نماز پڑھی ۔ آنحضرت ﷺ ابھی ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی مگر وفات کے وقت وصیت کردی کہ ترکہ کا ایک ثلث آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا جائے ۔ اسی لئے کہاجاتا ہے کہ سب سے پہلے صاحب خیر ہیں جنہوں نے تہائی ترکہ کی وصیت کی ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ :

غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوسکے، بہت صدمہ ہوا، غزوہ احد ہوا تو تمناپوری ہوئی ۔ بیٹے کو بٹھاکر رات ہی کو سمجھادیاکہ مجھے امید ہے کہ میں کل کو سب سے پہلے جان فدا کروں گا ۔ آنحضرت ﷺ کے بعد مجھے سب سے زیادہ تم محبوب ہو۔ تم سب سے پہلے میرا قرض ادا کرنا اور اپنی بہنوں کا خیال رکھنا بہنیں سات تھیں ۔ جابر ان کے سعادت مند صاحبزادے تھے ۔ یہودی کا

قرض تھا۔ خیال تھا کہ باغ کے پھل سے قرض ادا نہیں ہوسکے گا، لہذا کچھ اب وصول کرلے کچھ بعد میں ۔ مگر یہودی راضی نہیں ہوا ۔ آنحضرت ﷺ نے سفارش کی تب بھی راضی نہیں ہوا ۔ آنحضرت ﷺ باغ میں تشریف لے گئے ٹوٹے ہوئے کھجوروں کے ڈھیر پڑے تھے، ان سب کے پاس پہنچ کر ملاحظہ فرمایا : پھر حکم دیا کہ تمام قرض ادا کردو ۔ یہ آنحضرت ﷺ کی برکت تھی کہ تمام قرض ادا کردیا ۔ اور کھجوروں کے ڈھیر جوں کے توں باقی رہ گئے ۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ :

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے برادرانہ رشتہ قائم فرمایا۔ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ سنہ ۴۵ ھ میں وفات ہوئی ۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ :

قبیلہ خزرج کے سردار، رئیس گھرانہ کے چشم و چراغ بہت بڑے حوصلہ مند سخی، باپ دادا بھی ایسے ہی رئیس اور سخی تھے ۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے گھرکو بیت جود فرمایا ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے بیعت نہیں کی مگر کوئی مخالفت بھی نہیں کی بلکہ وطن چھوڑ کر شام چلے گئے۔ حوران میں قیام کیا وفات دفعةً ہوگئی، غسل خانہ میں مردہ پائے گئے۔ یہ سنہ ۱۱ ھ کا واقعہ ہے یا ۱۴ ھ یا ۱۵ ھ

کا (علیٰ اختلاف الاقوال) الاستیعاب

حضرت منذر بن عمرو بن خنیس رضی اللہ عنہ :

آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے برادرانہ رشتہ قائم فرمایا ۔ بیرمعونہ کے حادثہ میں شہید ہونے والے ستر حضرات جو اس موقع پر شہید کئے گئے وہ انہیں کی قیادت میں سفر کررہے تھے (الاستیعاب و بخاری وغیرہ) یہ سب حضرات خزرجی تھے قبیلہ اوس کے یہ تین حضرات تھے مندرجہ ذیل

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ :

قبیلہ اوس کے سردار بہت بڑے سخی ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ۲۰ ھ یا ۲۱ ھ میں وفات ہوئی ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے وصی تھے ۔ چار ہزار دینار قرض چھوڑا، جس کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے باغ کی آمدنی سے ادا کیا ۔ (الاستیعاب) غزوہ بدر میں مشیر خاص تھے۔

حضرت سعد بن حیثمہ رضی اللہ عنہ :

جب آنحضرت ﷺ کا قباءمیں قیام تھا تو عام نشست ان کے یہاں ہوئی تھی ۔ جو حضرات مہاجرین تن تنہا آئے تھے وہ بھی انہیں کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ جب غزوہ بدر کے موقع پر آنحضرت ﷺ روانہ ہونے لگے تو باپ (خثیمہ) اور بیٹے

سعد نے طے کیاکہ ہم میں سے ایک مکان پر رہے ایک ساتھ جائے، پھر باپ بیٹے میں بحث ہوئی کہ کون ساتھ جائے ، بحث ختم کرنے کے لئے قرعہ ڈالا تو قرعہ میں بیٹے (حضرت سعد رضی اللہ عنہ) کا نام نکلا ، باپ نے بیٹے سے اپیل کی کہ اپنا حق مجھے دیدیں اور مجھے جانے دیں تو بیٹے نے کہاکوئی اور معاملہ ہوتاتو میں آپ کے لئے اپنا حق بخوشی چھوڑدیتا مگر یہ راہ خدا میں قربان ہونے اور رضا مولیٰ حاصل کرنے کا معاملہ ہے اس میں تو میں اپنا حق نہیں چھوڑ سکتا ، چنانچہ آنحضرتﷺ کے ساتھ گئے اور جام شہادت نوش جان کیا ۔ (رضی اللہ علیہم اجمعین)

حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ :

ابولبابہ کنیت، یہ کنیت ہی سے مشہور ہیں ۔غزوہ بدر اور غزوہ سویق کے موقع پر جب آنحضرتﷺ تشریف لے گئے تو انہیں کو مدینہ کا ناظم امور (والی) بنا گئے ۔ غزوہ خندق کے بعد بنو قریظہ کا مسئلہ پیش ہوا، جنہوں نے غزوہ خندق کے وقت غداری کی تھی، بنو قریظہ منتظر تھے کہ ان کے متعلق کیا فیصلہ کیاجائیگا ۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو انہوں نے گردن کی طرف اشارہ کیاکہ سب غداروں کو قتل کیا جائے گا ۔ پھر احساس ہوا کہ میں نے راز فاش کردیا تو مسجد شریف میں آکر اپنے آپ کو کھنبے سے باندھ دیا اور کھانا پینا سب بند ۔ نماز کے وقت ان کی صاحبزادی آکر ان کو کھول دیتی

تھیں تو نماز میں شریک ہوجاتے تھے ۔ چھ روز تک اور بعض روایتوں کے بموجب چودہ پندرہ دنوں تک اسی طرح بندھے رہے۔ پھر سورہ توبہ نازل ہوئی، آپ کو بشارت دی گئی اور کھولنے کا ارادہ کیاگیا ۔ آپ نے منع کردیا کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ جب تک آنحضرتﷺخود نہ کھولیں گے میں نہیں کھولوں گا ۔ چنانچہ خود سرور کائناتﷺنے اپنے دست مبارک سے ان کو کھولا ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان کی وفات ہوئی ۔ بغیر کھائے پیئے بندھے رہنے کا اثر ظاہری جسم پر یہ پڑا کہ قوت سماعت ختم ہوگئی تھی ۔ (الاستیعاب)

قریش کا تعاقب :

یہ اجلاس جو پہاڑ کی گھاٹی میں ریت کے فرش پر چاند کی چاندنی میں کیاگیا تھا بہت ہی خفیہ تھا۔ جانے والے بھی ایک ایک کرکے گئے تھے۔ اسی طرح نہایت خاموشی سے واپس ہوئے ۔ لیکن پچہتر آدمیوں۱ کی نقل و حرکت چھپنے والی نہیں تھی۔ لوگوں نے بھانپا، کچھ بھنک قریش کے کانوں میں بھی پڑی۔ فوراً دوڑے اور جیسے ہی صبح ہوئی تحقیقات شروع کردی ۔ اہل مدینہ کے خیموں میں پہنچے اور کہا:

”ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ اس لئے آئے ہیں اور کوئی ایسا معاہدہ کرچکے ہیں کہ اس صابی (آنحضرت ﷺ) کو اپنے ساتھ لے جائیں گے اور ہمارے مقابلہ پر محاذ قائم کرینگے ۔ ہم آگاہ کئے

دیتے ہیں محمد کو لے جانا ہمارے لئے چیلنج ہوگا ۔ طاقت آزمائی ہوتو ایسا کرلو۔“

رؤسا مدینہ عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ سے قریش کے تعلقات تھے انہیں سے تعارف تھا۔ انہیں سے تحقیقات کا سلسلہ شروع کیاگیا اور انہیں سے یہ باتیں کہی گئیں ۔ ان میں سے کوئی بھی اس بیعت میں شریک نہیں ہوا تھا نہ ان کو خبر تھی، انہوں نے قسمیں کھا کھا کر انکار کیا ۔ عبداللہ بن ابی بن سلول نے کہا: میری قوم اگر ایسا کرتی تو وہ یقیناً مجھ سے مشورہ کرتی ورنہ کم از کم خبر ضروردیتی۔ یہ ممکن نہیں میری اطلاع کے بغیر کوئی ایسا عمل ہو جائے ۔ یہ انکار کرنے والے سچے تھے لیکن بیعت کرنے والوں کو فکر تھی کہ ان سے دریافت کیاگیا تو کیا جواب دینگے ۔ وہ خاموش تھے اور ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دفعۃً حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی نظر ایک قریشی رئیس زادے حارث بن ہشام مخزومی کی نئی جوتیوں پر پڑ گئی جو قیمتی اور خوبصورت تھیں ۔ انہیں مذاق کرنے اور لوگوں کی توجہ ہٹانے کا موقع مل گیا۔ انہوں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو مخاطب کرکے کہا : دیکھئے جوتیاں ایسی ہونی چاہئیں ۔ آپ رئیس مدینہ اور قوم کے سردار ہیں ۔ آپ بھی ایسی ہی جوتیاں پہنا کیجئے۔ اس مزاحیہ فقرے کوحارث نے طنز سمجھا ۔ اس نے دونوں جوتیاں نکال کر کعب رضی اللہ عنہ کی طرف پھینک دیں ۔ لو تم پہنو ضرور پہنو خدا کی قسم

ضرور پہنو۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے دیکھا کہ حارث کو ناگواری ہوئی تو اس نے مجھے ڈانٹا: تم نے خواہ مخواہ ان کو ناراض کردیا ، ان کی جوتیاں واپس کردو ، میں نے کہا یہ دے چکے ہیں اب میں واپس نہیں کروں گا اور دل میں سوچا یہ فال نیک ہے، عنقریب وہ وقت آئے گا کہ میں ان تکلفات کو ان لوگوں سے ختم کردوں گا۔

بہرحال اس طنزاور مذاق میں اصل بات رل گئی ہماری جان بچ گئی۔ ہم سے کسی نے نہیں پوچھا۔ جب یہ لوگ ہمارے خیموں سے باہر نکل گئے تو طے شدہ پروگرام کے بموجب بیعت کرنے والے حضرات نے کھسکنا شروع کیا ۔ قریش کو پھر احساس ہوا ، وہ پھر دوڑے، مگر ہم سب نکل چکے تھے، دو آدمی کسی طرح باقی رہ گئے تھے ان کو راستے میں پکڑلیا ، یہ قبیلہ خزرج کے رئیس سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے اور اسی قبیلے کے دوسرے صاحب منذربن عمرو رضی اللہ عنہ، یہ دونوں نقیب بھی منتخب ہوئے تھے ۔ حضرت منذر رضی اللہ عنہ پھر بھی کسی طرح بچ کر نکل آئے لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ نہ نکل سکے ، اونٹ کے کجاوے میں سے چمڑے کا تسمہ نکال کر ان کی مشکیں کس دیں ان کے سرپر بڑے بال تھے ، مارتے پیٹتے اور ان کے بڑے بال کھینچتے ہوئے مکے میں لے گئے ، وہاں لوگوں نے بہت ذلیل کیا، مارا پیٹا، کسی نے منہ پر بھی تھوک دیا ۔

انہیں حضرت سعد ضللہعنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص آیا، بظاہر نہایت سنجیدہ نیک خصلت، شریف صورت تھا ۔ مجھے خیال آیا کہ یہ مجھ پر رحم کرے گا اور میری جان چھڑادے گا ۔ مگر

”بھولی بھالی شکل والے ہوتے ہیں جلاد بھی“

میرے پاس پہنچا تو اس نے رحم کے بجائے بڑے زور سے کھینچ کر طمانچہ مارا ۔ تب میں نے سوچا کہ ان انسان نما وحشیوں میں کم از کم مسلمانوں کے حق میں شرافت کا نام و نشان نہیں رہا ۔ ایک اور شخص جو غالباً یہ حرکتیں دیکھتے دیکھتے تھک گیا تھا، اس نے کہاکیا مکہ میں تمہارا کوئی حلیف نہیں ہے؟ تب مجھے خیال آیا میں نے کہا : میرے بہت سے حلیف ہیں، جبیر بن مطعم بن عدی سے میرے تجارتی تعلقات بھی ہیں، حارث بن حرب بن امیہ سے بھی میرے تعلقات گہرے ہیں ۔ آپ کی عنایت ہوگی ان میں سے کسی کوخبر کردو ۔ یہ شخص گیا حرم کعبہ کے قریب ان سے ملاقات ہوگئی ۔ ان کو میرا نام بتایا یہ دونوں آئے اور ان ظالموں سے مجھے نجات دلائی۔[۵]

مکہ معظمہ میں اصول کار (پروگرام)ہاتھ نہیں اٹھاسکتے

تیرہ سال مکہ معظمہ میں گزرے، اس طویل

---

۵ طبقات ابن سعد ص ۱۵۰ج ۱، یہ تفصیل امام المغازی ابن اسحاق کی روایت سے ماخوذ ہے ۔ سیرۃ ابن ہشام ص ۲۷۰ ج ۱۔

مدت میں پروگرام یہ تھا :

۱۔ كُفُّوا اَيْدِيَكُمْ ❷ ہاتھ روکو

۲۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ نماز قائم کرو (اللہ سے تعلق مضبوط کرو)

۳۔ اٰتُوا الزَّكٰوةَ❸ زکوٰۃ ادا کرو ۔

۴۔ وَ اَقْرِضُوا اللہَ قَرْضًا حَسَنًا❹ اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دیتے رہو

مگر اس موقع پر جب بیعت اس پر بھی لی گئی کہ حضرات انصار جس طرح اپنی جانوں اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں آنحضرتﷺکی بھی حفاظت کرینگے تو امام المغازی ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ یہ اس طرف اشارہ تھا کہ ہاتھ روکنے کا پروگرام آئندہ نہیں رہے گا ۔ بلکہ ہاتھ اٹھانے کی بھی اجازت ہوگی❺ ۔

---

❷ سورہ نساءآیت ۷۷

❸ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مکہ معظمہ میں زکوٰۃ اور قرض حسن کا فرق محض مصرف کے لحاظ سے تھا یعنی غریبوں مسکینوں کو جو کچھ دیا جاتا وہ زکوٰۃ اور غلاموں کو خرید کر رہا کرنا یا دوسرے ملی اور اجتماعی کاموں میں خرچ کو قرآن حکیم میں قرض سے تعبیر فرمایا گیا ۔ حاصل یہ کہ جو کچھ ہو خرچ کرڈالو اور جو کچھ خرچ کروگے اللہ تعالیٰ کے یہاں اس سے بہتر ملے گا ۔ (واللہ علم بالصواب)

❹ سورہ المزمل آیت ۲۰

❺ سورہ حج اگرچہ مد نی ہے مگر ماہرین قرآن کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ اذن قتال کی آیت ۳۹ (اذن للذین یقاتلونہ تاآخر) مکہ معظمہ ہی میں نازل ہوچکی تھی یعنی الفاظ بیعت میں جس کی طرف اشارہ تھا اس کے متعلق صریح حکم بھی مکہ معظمہ ہی میں نازل ہوچکا تھا۔ البتہ ابھی عمل کا حکم نہیں ہوا تھا ۔ عمل

چنانچہ جب بیعت ہوچکی تو ایک منچلے بہادر حضرت عباس بن عبادہ بن فضلہ ؓ نے عرض کیا یارسول اللہ اگر اجازت ہوتو ہم صبح ہی کو ان لوگوں کو تلوار کے ہاتھ دکھادیں۔ آنحضرتﷺنے فرمایا :ابھی مجھے اس کا حکم نہیں ملا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ علیہم اجمعین کوہجرت مدینہ کی اجازت

فتنہ کفر سے بچنے اور اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کی خاطر کسی امن کی جگہ جاکر پناہ لینے کا سلسلہ پہلے سے جاری تھا، اسی غرض سے ایک جماعت حبشہ گئی تھی اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ، حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن جحش بن رئاب رضی اللہ عنہ وغیر ہم کو جب معلوم ہوا کہ یثرب میں ان کو امن مل سکتا ہے تو وہ بیعت عقبہ سے پہلے ہی یثرب چلے آئے تھے ۔[1]

پھر جب مدینہ کے چند افراد کو آنحضرتﷺنے اسلام کی دعوت دی تو آپ نے اس خواہش کا بھی اظہار فرمایا تھا کہ آنحضرتﷺبہ نفس نفیس ان کے ساتھ چلیں، مگر مدینہ کی فضا خانہ جنگی کے باعث خراب تھی تو ان حضرات نے اس وقت تعمیل فرمائش سے معذرت کردی تھی۔ لیکن سب باتیں اس وقت تک اس بناءپر

کا حکم جب ہوا جب مدینہ منورہ میں طاقت مجمع ہوگئی اور محاذ قائم ہوگیا واللہ اعلم بالصواب (ماخوذاز سیرۃ ابن ہشام ص ۲۸۰ ج ۱)

[1] سیرۃ ابن حشام ص ۳۸۱، ج۱، فتح الباری ص ۱۸۰، ج۷

تھیں کہ وہاں امن مل جانے کی توقع تھی۔ لیکن جس مقصد عظیم کے لئے آنحضرتﷺکی بعثت ہوئی تھی اس کو سامنے رکھ کر کس مقام کو مرکز بنایا جائے جو ضرورت کے وقت ایک مضبوط محاذ بھی ثابت ہوسکے یہ اب تک طے نہیں ہوا تھا۔ اسی اثناءمیں ایک مرتبہ آنحضرتﷺنے فرمایا کہ مجھے تین[2]مقامات بتائے گئے ہیں ان میں سے کسی کو منتخب کرلوں مدینہ، بحرین، یا قنسرین۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ہجرت کرکے ایک ایسے مقام پر جارہا ہوں جہاں کھجور کے باغات ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ یہ مقام یمامہ ہوگا یا ہجر ہے[3] لیکن جس طرح اہل مدینہ نے اسلام کا استقبال کیا اس نے طے کردیا کہ یہ مرکز وہ ارض پاک ہے جس کو یثرب کہاجاتا تھا ۔جس نے بعد میں مدینہ النبی ا کا غیرفانی اسم گرامی اختیار کیا ۔

انتہا یہ کہ مقام عقبہ پر جو آخری بیعت ہوئی اس میں باقاعدہ وعدہ ہوگیا کہ حضرات مہاجرین وہاں پہنچیں گے اور اہل مدینہ ان کا انتظام کرینگے ۔ چنانچہ اس کے بعد نہ صرف یہ کہ آنحضرت ﷺنے اجازت دیدی بلکہ ایک اصول طے ہوگیا کہ جو دائرہ اسلام میں داخل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ مدینہ منورہ کو اپنا قیام گاہ

---

[2] ترمذی شریف و فتح الباری ص ۱۸۱، ج ۷

[3] بخاری شریف ص ۵۵۱

بنائے ۔[4]

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ روئے انورﷺ کے عاشق، جاں نثار اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں یہ ان دونوں سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے ۔ مگر اسی اصول کی پابندی نے ان کو ہجرت پر مجبور کیا ۔[1] چنانچہ بیعت عقبہ کے بعد ہجرت کرنے والوں میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمار بن یا سر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے اسماءگرامی سب سے پہلے ہیں ۔ ان کے بعد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیس نفر کے قافلے کے ساتھ تشریف لائے اور قبا میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے یہاں فروکش ہوئے ۔[2] پھر رفتہ رفتہ جس کو موقع ملا وہ مکہ سے نکل کر مدینے پہنچتا رہا ۔

شوق استقبال :

حضرات انصار نے اس دعوت پر ہی اکتفا نہیں کی جو بیعت عقبہ کے سلسلے میں دے چکے تھے ۔ بلکہ بیعت کے بعد جب مدینے واپس آگئے تو یہاں سے چند حضرات مکے تشریف لے گئے اور حضرات مہاجرین کے ساتھ واپس ہوئے ان کو مہاجر انصاری کہاجاتا ہے۔[3]

---

[4] قرآن حکیم نے سچا مومن اسی کو قرار دیا جو ہجرت کرکے آئے یا ہجرت کرنے والوں کے لئے قیام کا انتظام کرے اور راہ خدا میں جان اور مال سے جہاد کرے ۔ (سورہ انفال کی آخری آیت)

[1] فتح الباری ص ۲۰۸ ج ۷

[2] ایضاً ص ۲۰۹ ج ۷

[3] ان حضرات کے اسماءگرامی یہ ہیں : حضرت ذکوان بن عبد قیس، حضرت عقبہ بن وہب بن کلدہ، حضرت عباس

آنحضرت ﷺ کو دعا کی تلقین اور ہجرت کا اشارہ

سورہ اسراء کی چند آیتیں یہ ہیں :

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْہُوْدًا ۷۸ وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَہَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۷۹ وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۸۰

ترجمہ : اے رسول نماز قائم کر سورج ڈھلنے[4] کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے کے وقت تک (ظہر، عصر، مغرب، عشاءکے وقتوں میں) اور نماز فجر میں خاص اہتمام سے قرآن پڑھو ۔ بلاشبہ صبح کے وقت تلاوت قرآن ایک ایسی تلاوت ہے جس میں حاضری زیادہ سے زیادہ ہوتی ہے۔[5]

اور اے نبی رات کا کچھ حصہ (یعنی پچھلا حصہ) شب بیداری میں بسرکر یہ تیرے لئے ایک مزید عمل ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایسے مقام پر پہنچادے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو (جس کی تعریف کی جاتی ہے) اور تیری دعا یہ ہونی چاہئے کہ اے پروردگار (مجھے جہاں کہیں

بن عبادہ بن فضالہ، حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہم (ابن سعد ص ۱۵۲ ج۱)

[4] آفتاب پرستوں کی عبادت طلوع آفتاب کے وقت ہوتی ہے اور توحید پرستوں کی عبادت اس سے پہلے ہوتی ہے یا اس وقت جب ان معبود ان باطل کا زوال ہوتا ہے ۔

[5] رات اور دن کے کار پرواز فرشتے اس وقت جمع ہوتے ہیں (بخاری شریف ص ۶۸۶و ۰۹)

پہنچا تو) سچائی کے ساتھ پہنچا اور (جہاں کہیں سے نکال تو)سچائی کے ساتھ نکال ، اور مجھے اپنے حضور سے قوت عطافرما ، ایسی قوت کہ ہرحال میں مددگاری کرنے والی ہو ۔(آیات ۷۸ تا ۸۰ سورہ ۱۷ اسراء)

تشریحات : (۱) سورہ اسراءجس کا آغاز معراج کے واقعہ سے ہوا ہے اسی کے نویں رکوع کی یہ آیات ہیں جن میں اس دعا کی تلقین ہوئی ہے۔ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ جہاں سے نکالنا ہو سچائی کے ساتھ نکال اور جہاں پہنچنا ہو سچائی کے ساتھ پہنچا جن میں بقول ابن عباس (رضی اللہ عنہ) ہجرت[۵] کا ایماء ہے ۔

(۲) معراج شریف ابتلاءاور آزمائش کے اس نازک دور میں ہوئی جب آنحضرت ﷺ اور آپ کے حامی اور مدد گار یعنی بنو ہاشم شعب ابی طالب میں پناہ گزیں اور محصور تھے اور اہل مکہ اور بالفاظ دیگر پوری دنیا آپ سے بائیکاٹ کئے ہوئے تھے ۔ اسی شب میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں، جن کی طرف ان آیتوں میں اشارہ ہے ۔ ان کی تشریح آنحضرت ﷺنے اپنی تعلیم اور عمل متواتر سے فرمائی ۔

شعب ابی طالب میں محصور ہونے کا دورہ اور اس کے بعد کے سال وہ تھے جن میں آنحضرت ﷺاور آپ کے رفقاءکی مظلومیت، لاچارگی اور بے مائگی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی ۔ ایسی حالت میں کون امید کرسکتا تھا کہ

---

[۵] ترمذی شریف کتاب التفسیر ص ۱۴۲ ج ۲

انہیں مظلومینوں سے فتح اور کامرانی پیدا ہوسکتی ہے۔ لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہیں دی کیونکہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیرمعمولی عظمت نہیں تھی بلکہ ایسے مقام تک پہنچنے کی خبردی جو نوع انسان کے لئے عظمت اور ارتفاع کی سب سے آخری منزل ہے۔ ۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (بنی اسرائیل۔ ۷۹)

فضل و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالمگیراور دائمی عظمت حاصل ہوجائے ۔ کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی سائش ہوگی ۔ ان گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی ۔ محمود یعنی سرتاسرمحمود ہستی ہوجائے گی :

ماشئت قل فیہ فانت مصدق فالحب یقضی
والمحاسن تشهد

”جو تعریف تم کرنا چاہو کرلو، تمہاری تعریف درست اور تم راست گو ہوگے، محبت کا یہی تقاضا ہے اور محاسن و کمالات اس کی شہادت دیتے ہیں “

یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی، اس سے زیادہ انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیاجاسکتا ۔ انسان کی سعی اور ہمت ہرطرح کی بلندیوں تک اڑسکتی ہے لیکن یہ بات نہیں پاسکتی کہ روحوں کی ستائش اور دلوں کی

مداحی کامرکز بن جائے، خالق کائنات اس کی مدح کرے اور وہ کائنات انسانی کی اس وقت مدد کرے جس وقت ہرایک نفس خواہ وہ نفس عوام ہو یا نفس خواص، کسی ولی مقرب کا نفس ہو یا کسی او العزم نبی مرسل کانفس "نفسی نفسی" پکار رہا ہو ۔

(۳) جس اولوالعزم نبی اور رسول کے بلندترین درجات کا زینہ معراج تھا اور سطح اعلیٰ مقام محمود ہے اسی کی حیات مقدسہ کا اہم واقعہ ہجرت ہے۔

یہ ترک وطن معاذ اللہ جان بچانے کے لئے نہیں تھا بلکہ اس جہاد عظیم کے لئے تھا جس کا ثمرہ مقام محمود ہے ۔

یعنی رحمت کاملہ اور امن عالم کی وہ مقدس دعوت جس کا نام اسلام ہے، جس کے مبلغین اور داعیان کرام کی تربیت تیرہ سال تک مکہ کی سنگلاخ امتحان گاہ میں ہوتی رہی، اب وقت آیا ہے کہ اس کو وقف عام کیا جائے اور ایک شہریا ایک علاقہ یا ملک کی تگنائی سے نکال کر پورے عالم کو اس سے آشنا کیا جائے، اور وہ تمام مشقتوں برداشت کی جائیں اور تمام مصیبتیں جھیلی جائیں جن کی نذر پیش کرنا ایسی غیرمعمولی عظیم الشان دعوت کے لئے ضروری ہے، جس کی بنا پر رہتی دنیا تک آنحضرتﷺ کی تعریف ہوتی رہے اور قیامت کو مقام محمود کا شرف اعظم حاصل ہو ۔

یہ ترک وطن اسی جہاد عظیم کے لئے تھا۔

اسی لئے یہ ایک ایسا شرف تھا کہ اگر اللہ رب العالمین کو منظور نہ ہوتا کہ یہ شرف عطاکیاجائے تو محبوب رب العالمین (ﷺ)۔ مکی یا ہاشمی اور قریشی ہونے کے بجائے حضرات انصار میں سے ہوتے۔❶

اسی ہجرت نے اس موقف کی بنیاد رکھی جہاں سے رحمة اللعالمین ﷺ اعلان فرمایا :

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(سورہ اعراف آیت ۱۵۸)

(اے افراد نسل انسانی میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں، وہ خدا کہ آسمانوں اور زمین کی ساری بادشاہت اسی کی ہے ۔)

مسجد جو اسلامی تعلیمات کے بموجب حیات اجتماعی کی علامت بلکہ شرط اول ہے، اس ہجرت کے بعد ہی وہ پہلا دن میسر آیا جس میں تاسیس مساجد کا سلسلہ شروع کیاگیا ۔❷اسی پہلے دن کو اسلام کی نشات اجتماعی کا پہلا دن مانا گیا جس سے اسلامی سنہ (سنہ ہجری) کا آغاز کیاگیا۔❸

مخالفین کا منصوبہ

---

❶ لولاالهجرة لكنت امرأ من الانصار (بخاری شریف ص ۵۳۳)

❷ قال اللہ تعالیٰ : لمسجد اسس علی التقویٰ من اول یوم قال السهیلی من اول یوم حل النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدارالهجرة (تفسیر مظہری)

❸ بخاری شریف ص ۵۶۰ حدیث سہل رضی اللہ عنہ

اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا ۙ وَّ اَکِیْدُ کَیْدًا ۚ فَمَھِّلِ الْکٰفِرِیْنَ اَمْھِلْھُمْ رُوَیْدًا

(سورہ طارق ۱۵تا ۱۷)

"وہ ایک منصوبہ بنا رہے ہیں اور میں ایک منصوبہ بنارہا ہوں سوڈھیل دیجئے منکروں کو تھوڑے دن ڈھیل دیجئے ۔" ❷

وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ

(سورہ الانفال ۳۰)

"اور (اے نبی) وہ وقت یاد کرو جب مکے میں کافر تیرے خلاف اپنی چھپی تدبیروں میں لگے تھے کہ تجھے باندھ کر ڈال دیں ❸ یا قتل یا جلاوطن کردیں اور وہ اپنی مخفی تدبیریں کررہے تھے اور اللہ اپنی مخفی تدبیرکررہا تھا اور اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے ۔"

وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَکَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْکَ مِنْہَا وَ اِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَکَ اِلَّا قَلِیْلًا سُنَّۃَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَکَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا

(سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۶، ۷۷)

اور انہوں نے اس میں بھی کوئی کسر اٹھانہ رکھی تھی کہ تجھے اس سرزمین (ملک عرب) سے عاجز کرکے نکال دیں اور اگر ایسا کر بیٹھے

---

❶ قال ابن عباس ھذا وعید من اللہ عزوجل وقداخذ ھم اللہ یوم بدر (تفسیر مظہری)

❷ البتہ وہ لگے ہیں ایک داؤ کرنے میں اور میں لگا ہوں ایک داؤ کرنے میں ، سوڈھیل دے منکروں کو ، ڈھیل دے ان کو (صبر کر) (حضرت شاہ عبدالقادر)

❸ تجھ کو بٹھادیں (حضرت شاہ ولی اللہ صاحب)

تو (یاد رکھیں) تیرے (نکالے جانے کے پیچھے) مہلت
نہ پاتے مگر بہت تھوڑی، (وہ سب تباہ کردیئے
جاتے) ہم تجھ سے پہلے جو پیغمبر بھیج چکے ہیں،
ان سب کے معاملے میں ہمارا قاعدہ یہی رہا ہے
اور ہمارے ٹھہرائے قاعدے کو تو بدلتا ہوا نہ پائے
گا ۔ "

تشریح : جس قوم نے اپنا نصب العین یہ بنارکھا تھا کہ اسلام کا نام و نشان مٹاڈالے اس کی ناکامی اس سے زیادہ کیا ہوسکتی تھی کہ جس کو وہ مٹانا چاہتی تھی وہ بڑھ رہا تھا، پھیل رہا تھا، اس کی حفاظت اور ترقی کے مرکز قائم ہورہے تھے ۔

عرب سے باہر افریقہ میں (مملکت حبش میں) مسلمانوں کی ایک جماعت پہنچی ہوئی تھی وہ ایک مرجع اور ایک مرکز بن گئی تھی ۔ قریش کا نمائندہ وفد جو اس کو اکھاڑنے کے لئے گیا تھا وہ ناکام ہوچکا تھا ۔ اب تازہ ناکامی یہ تھی کہ یثرب میں اور خاص ان میں جو نہ صرف قریش کے ہم عقیدہ اور پیرو تھے بلکہ ان میں قریش کی رشتہ داری اور قرابت بھی تھی [1] اسلام کی جڑیں

---

[1] حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے تقریباً تیس ساتھی یمن سے بذریعہ جہاز روانہ ہوئے کہ خدمت مبارک میں حاضر ہوکر اسلام قبول کریں مگر باد مخالف نے جہاز کو بندرگاہ حجاز کے بجائے افریقہ کی بندرگاہ پر پہنچا دیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت حبش میں موجود ہے تو اس کے پاس پہنچے اور اسلام قبول کرکے اس کے ساتھ رہنے لگے اور فتح خیبر کے موقع پر سنہ ۷ ھ میں وہ سید الانبیاء ﷺ کی بارگاہ اقدس میں باریاب ہوئے ۔ (بخاری شریف ص ۵۴۷ وغیرہ)

مضبوط ہورہی تھیں یہاں تک کہ ساری دنیا کا مقابلہ کرنے کے عزم اور حوصلے کے ساتھ فداکاروں کی ایک جماعت منظم ہوچکی تھی۔ وہ سخت جان جو دس بارہ سال تک مکہ میں ہرطرح کی مصیبتیں جھیل کر اور امتحان و آزمائش کی بھٹی میں تپ کر کندن ہوچکے تھے وہ مکہ سے نکل نکل کر یثرب پہنچ رہے تھے، اور اس طرح ایک محاذ مضبوط ہورہا تھا ۔ اس پر قریش کے رہنما جتنے بھی خوف زدہ ہوں جتنے بھی چراغ پاہوں کم تھا۔ کیونکہ زندگی اور موت کا سوال جو پہلے چلمن کے پیچھے سے جھانک رہا تھا اب بے نقاب ہوکر سامنے آچکا تھا ۔ لہذا ضروری تھا کہ قریش کے تمام سردار سرجوڑ کر بیٹھیں اور پوری سنجیدگی سے اس مسئلہ پر غور کریں۔ چنانچہ مکہ کے تاریخی پنچائت گھر یا کونسل ہاؤس (دارالندوہ) میں خاص اجلاس طلب کیاگیا ۔ ارکان ندوہ کے علاوہ دوسرے ہمنوا رہنماؤں کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی ۔ ایجنڈا (غور طلب اور فیصلہ طلب مسئلہ) یہی تھا کہ اسلام اور اس کے داعی کا قصہ کس طرح ختم کیا جائے ۔

ربیع الاول کے پہلے ہفتہ میں یہ اجتماع ہوا اور پوری سنجیدگی سے مسئلہ پر غور کیاگیا ۔ چند تجویزیں پیش کی گئیں:

(۱) محمد[2] کو بیڑیاں پہناکر لوہے کی

---

[2] پیش کرنے والا : رئیس قریش ابو البختری ‘ مقتول غزوہ بدر

سلاخوں کے پیچھے باندھ کر ڈالدو[3] نجد کا ایک شخص جو وہاں وقت پر پہنچ گیا تھا اس نے کہا: اس سے محمدﷺکی مقبولیت بڑھے گی ، لوگوں کی ہمدردیاں زیادہ ہونگی اور بہت ممکن ہے اس کے ساتھی کسی طرح اس کو چھڑاکر لے جائیں، اس سے قریش کی بدنامی اور ہواخیزی ہوگی ۔

(۲) محمدﷺکو وطن سے نکال دو ،[4] تمہیں چھٹی مل جائے گی ، تم اپنا نظام قائم کرسکو گے اور موجودہ انتشار ختم ہوجائے گا۔

نجدی شیخ : بہت غلط رائے ہے، وہ ہوشیار ہے اور اس کے کلام میں ایسی طاقت ہے کہ جہاں جائے گا اپنا جتھا بنالے گا ، تمہارے لئے عذاب بن جائے گا ۔

(۳) ابوجہل : میری توقطعی رائے یہ ہے کہ محمد کا کام تمام کردیا جائے۔ باقی یہ خطرہ کہ

---

[3] لِيُثْبِتُوكَ (الانفال۔ ۳۰)

[4] اَوْ يُخْرِجُوكَ (الانفال۔۳۰) نیز آخری آیت وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ (بنی اسرائیل۔۷۶) پورا ترجمہ اوپر گزرچکا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تجویز بھی کافی اہمیت اختیار کرچکی تھی کہ وہ آنحضرت ﷺ کو پریشان اور عاجز کرکے سرزمین عرب سے ہی نکال دیں ۔ بظاہر اس پر عمل اس لئے نہیں ہوا کہ اس میں یہ خطرہ محسوس کیاگیا کہ یہ جہاں پہنچ جائیں گے وہاں اپنا مرکز قائم کرکے حملہ کردیں گے اور قریش کو تباہ کردینگے۔ مگر ارشاد ربانی کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت حق جل مجدہ اس قوم عرب یا قبیلہ کو برباد کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لئے یہ تجویز منظور کی گئی کیونکہ اگر وہ ایسا کرتے تو سنت اللہ یہ ہے کہ وہ قوم برباد ہوجاتی ہے جو اپنے نبی کو جلاوطن کردے ۔

اس کے ولی (بنو ہاشم) انتقام لیں گے اور اس طرح قبائلی جنگ بھڑک اٹھے گی تو اس سے نجات کی صورت یہ ہے کہ کسی ایک قبیلے کے آدمی قتل نہ کریں بلکہ ہر ایک قبیلے سے آدمی منتخب کئے جائیں، یہ سب مل کر حملہ کریں اس صورت میں خون کی ذمہ داری سب پر ہوگی بنو ہاشم اس اجتماعی طاقت کا مقابلہ نہ کرسکیں گے ۔ لامحالہ دیت اور خون بہا طے ہوگا جس کو ہم لامحالہ سب مل کر ادا کرینگے ۔

تمام اراکین نے ابوجہل کی تجویز سے اتفاق کیا اور اس کی تیاری شروع کردی ۔[1]

مُخْرَجَ صِدْقٍ (مکہ سے ہجرت) اور امداد خداوندی

اَخْرِجْنِی مُخْرَجَ صِدْقٍ (بنی اسرائیل آیت ۸۰)

”اے رب جہاں سے تو مجھ کو نکالے تو سچائی کے ساتھ نکال “

اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (توبہ آیت ۴۰)

”اگر تم مدد نہ کروگے رسول کی تو اللہ نے اس کی مدد کی ہے جب نکالا اس کو کافروں نے “

گرمیوں کا موسم، ستمبر کی ۳۱ تاریخ، ربیع الاول کی یکم[2]، پیر کا دن، مکہ والے گرمیوں میں مکان سے باہر ڈیوڑھیوں کے سامنے راستہ کے

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۱۷۵ و ۱۷۶ ج۳ وغیرہا من کتب السیر

کنارے پر چارپائیاں بچھالیتے ہیں اور آدھی رات تک گپ شپ کرتے ہیں ۔

آنحضرتﷺکا معمول یہ ہے کہ تہائی رات تک نماز عشاءسے فارغ ہوجاتے ہیں پھر کچھ سورتوں کی تلاوت فرماتے ہوئے باوضوبستر پر اور عموماً کھری چارپائی پر آرام فرماتے ہیں اس وقت کچھ آنکھ لگ جاتی ہے ۔ صحن میں آپ تنہا ہی ہوتے ہیں یا آپ کی زوجہ مطہرہ ۔

لیکن آج خلاف معمول آرام نہیں فرمارہے اور آج آپ تنہا بھی نہیں ہیں آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کی عمر تقریباً بائیس سال ہے وہ بھی حاضر ہیں اور کچھ باتیں ہورہی ہیں جیسے حساب سمجھارہے ہیں ۔

دوسری طرف عجیب بات یہ ہے کہ مکان سے باہر کچھ آدمی آرہے ہیں، تلواریں ان کے ہاتھ میں ہیں ۔ یہ نہایت خاموشی سے آتے ہیں اور دروازے کے قریب بیٹھ جاتے ہیں ۔ رفتہ رفتہ دس بارہ آدمی آگئے ہیں ان میں ابوجہل بھی ہے ابولہب بھی، اور عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف بھی، ان میں سے کوئی اٹھتا ہے اور

---

❷ جو حضرات سفر ہجرت کے رفقاءیا اس سفر کے مدد گار تھے انہوں نے تاریخ یا دن نہیں بیان کیا دوسرے حضرات نے بیان کیا ہے ۔ چونکہ ڈائری یا روزنامچے کا رواج نہیں تھا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی تقویمات (جنتریوں) میں اختلاف رہتا تھا ۔ اس لئے قدرتی طور پر تاریخوں کے بیان میں اختلاف ہوگیا ۔ ہم نے تقویم ہجری عیسوی مرتبہ ابو النصر محمد خالدی صاحب ایم اے (عثمانیہ) کے لحاظ سے یہ تاریخ اور دن مقرر کیا ہے (واللہ علم بالصواب)

کواڑوں کی دراز سے اندر جھانکتا ہے ۔

اب آدھی رات گذرچکی ہے، آخری پہر شروع ہوگیا پورے مکہ پر سناٹا چھاگیا، یہ کافر جو باہر آگئے تھے غالباً کھڑے کھڑے تھک گئے ہیں اس لئے قطارلگاکر دروازے کے سامنے بیٹھ گئے ہیں۔ دفعۃً آنحضرتﷺاٹھتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر لٹاتے ہیں اپنی چادر ان کے اوپر ڈال دیتے ہیں پھر دروازے سے باہر تشریف لاتے ہیں ۔ سورۂ یٰسین تلاوت فرمارہے ہیں اور جب کافروں کے برابر پہنچتے ہیں تو یہ آیت زبان مبارک پر ہے :

وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ

(یٰسین۔ ۹)

ترجمہ : "کردی ہم نے ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے دیوار، پھر اوپر سے ڈھانک دیا ، سو ان کو نظر نہیں آتا ۔"

اب نہیں کہاجاسکتا کہ ان کافروں کو نیند آگئی تھی یا جیسا کہ آیت کا مفہوم ہے ان کی آنکھوں کے سامنے دیوار کھڑی کردی گئی تھی، لیکن جو اطمینان آنحضرتﷺکو ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے سامنے قدرت نے کوئی دیوار کھڑی کردی ہے جس کو آپ محسوس فرمارہے ہیں (ﷺ)۔ اطمینان کی بھی انتہا ہوئی کہ آپ یونہی نہیں گذرجاتے بلکہ دست مبارک میں مٹی[¹]لیتے ہیں اور ہر ایک کے سرپر مٹی

[¹] ابن سعد و ابن ہشام (وغیرہ)

رکھتے ہوئے تشریف لے جاتے ہیں ۔ یہ نبی کا اعتماد، وثوق اور یقین ہے خدا پر اور خدا کے کلام پاک پر ۔

خدا پر بھروسے اور اطمینان کی دوسری مثال یہ نوجوان علی رضی اللہ عنہ پیش کررہے ہیں کہ وہ بستر پر آرام سے لیٹے ہیں، وہ سمجھ رہے ہیں کہ آج کی شب، شب مقتل ہے، دشمن اسی لئے اکٹھے ہورہے ہیں کہ اس بستر والے کو ذبح کریں، آرام گاہ کو ذبح خانہ بنائیں ۔ بستر والا نہ ہوتو جو بستر پر ہوگا وہ ذبح ہوگا ۔ مگر یا تو اللہ کی حفاظت پر اطمینان کامل ہے یا دیدار محبوب کے شوق مضطر نے موت کو بھی محبوب بنادیا ہے ۔

اگرمشاہدہ دوست ازپس مرگ است   حیات
خضرو مسیحا نصیب دشمن باد

یہی تسکین بخش اطمینان ہے کہ جیسے ہی لیٹتے ہیں سوجاتے ہیں ۔خدا جانے کتنی دیر تک یہ دشمن جو تلواریں لئے بیٹھے تھے غافل بیٹھے رہے ۔ انہیں ایک شخص نے آخر چونکا یا جس نے خبردی کہ جس کو تم قتل کرنے آئے تھے وہ نکل گیا اور تمہاری غفلت کی انتہا ہے کہ خاک تمہارے سروں پر ہے اور تمہیں خبر نہیں ۔ اب یہ گھبراکراٹھے، سروں پر ہاتھ پھیرے تو خاک آلود تھے، یقین ہوگیا کہ یہ شخص سچ کہتا ہے ۔ دروازہ دیکھا تو وہ بھی کھلا ہوا تھا ۔

کسی کے مکان میں گھسنا بہت معیوب تھا، مگر یہ لوگ ضابطہ اخلاق سے دامن جھاڑ کر

خاص منصوبہ کے تحت آئے تھے اور اب ناکامی کی جھونجھل بھی تھی ، غصے اور جوش میں اندر گھس گئے، دیکھا کہ ایک سن رسیدہ (محمد فداہ روحی) کی جگہ خواجہ ابوطالب کا سب سے چھوٹا لڑکا علی بستر پر دراز خراٹے لے رہا ہے ۔

حواس باختہ دشمنوں نے جھنجھوڑ کر اٹھایا ۔ پوچھا محمد کہاں ہے ؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا : مجھے کیا خبر ؟ جواب صحیح تھا، انہیں خبر نہیں تھی بہت پوچھ گچھ کی ڈرایا دھمکایا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کچھ نہیں بتاسکے ۔

یہاں سے دوڑتے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکان پر گئے ۔ ایک لڑکی (بڑی صاحبزادی حضرت اسماء) سامنے آئی ، پوچھا تمہارے باپ کہاں ہیں ؟ مجھے خبر نہیں ، لڑکی نے جواب دیا ۔ ابوجہل نے اس معصومہ کے اتنی زور سے طمانچہ مارا کہ کان کی بالی گرگئی۔[1]

جب ان بدبختوں کو یقین ہوگیا کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا تو اس کی تلاش میں دوڑے۔ مکے کی گلی گلی چھان ماری اور جب کہیں پتہ نہ چلا تو فوراً منادی کرادی کہ جو محمد اور اس کے ساتھی کو زندہ گرفتار کرکے لائے یا ان کا سرلائے اس کو (ایک دیت کے بموجب) سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے[2] ۔ سو اونٹ کا انعام معمولی نہیں تھا ۔ انعام کے شوق میں بہت سے من چلے دوڑے

---

[1] ابن سعد و ابن ہشام وغیرہ

[2] بخاری شریف ص ۵۵۴

مگر کامیابی کسی کو بھی نہیں ہوئی ۔ کیونکہ رب محمد اپنے محمد کی مدد کررہا تھا ۔ (۳) یہی تو ہے ارشاد خداوندی فَقَدْ نَصَرَہُ اللہُ (التوبہ۔۴۰) بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس کی (آنحضرتﷺکی مدد کی) اور وہ جو دعا بتائی گئی تھی جس کا ایک جز تھا " وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا "(بنی اسرائیل۔ ۸۰)"اور مجھے اپنے حضور سے قوت عطافرماایسی قوت جو ہرحال میں میری مددگار ہو " تو اس اطمینان سے زیادہ جس سے پوری طرح مسلح ہوکر آنحضرتﷺبستر سے اٹھے اور روانہ ہوئے تھے، سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا[3] کیا ہوسکتا ہے ۔

صادق و امین کی امانت داری:

دشمنوں نے اگرچہ یہ خطاب[1] اب چھوڑ دیا تھا[2] مگر آپ کی صداقت و امانت ان دشمنوں کی

---

[3] ایسی قوت جو ہرحال میں مددگار ہو

[1] آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ عجیب بات ہے اللہ تعالیٰ نے میرے نام کو سب وشتم سے بچالیاہے ان کو میرانام لینا گوارا نہیں ہوتا یہ مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں حالانکہ میں محمد ہوں میرا نام مذمم نہیں۔(بخاری شریف ص ۵۰۱)

[2] یہ خطاب استعمال نہیں کرتے تھے مگر آپ کی صداقت اور امانت سے انکار نہیں تھا۔ مانتے تھے، جانتے تھے، پہچانتے تھے کہ آپ صادق وامین ہیں ۔ اسی پر تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَھُمْ فَھُمْ لَہٗ مُنْکِرُوْنَ (مومنون۔۶۹) کیا ان لوگوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں ہے کہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ قرآن حکیم نے اصل مرض کی طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ مِنْ دُوْنِ اللہِ اَنْدَادًا (البقرہ۔ ۱۶۵)(معبودان باطل) کی محبت ان لوگوں سے یہ حرکتیں کراتی تھی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللہِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلہِ (بقرہ ۔۱۶۵) کچھ لوگ وہ

خاطر نہیں تھی ۔ بلکہ اس لئے تھی کہ آپ کی فطرت مبارکہ کا جوہر تھی ۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو سمجھارہے تھے وہ ان امانتوں کا حساب ہی تھا جو انہیں دشمنوں کی آپ کے پاس تھیں،جو اب منصوبہ قتل ناحق کو کامیاب بنانے کے درپے تھے ۔ آپ نے اس خطرناک اور ہیبت ناک فضا میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسی لئے چھوڑا تھا کہ جن کی امانتیں ہیں ان کو واپس کرکے اور پوری طرح حساب سمجھاکر تشریف لائیں ۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تین دن بعد روانہ ہوئے جب امانتیں ادا کرچکے اور حساب سمجھاچکے ۔

غار ثور میں قیام اور ضروری انتظامات

ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا (التوبہ ۔۴۰)

”صرف دو تھے دو میں سے ایک اللہ کے رسول تھے ۔ جب کہ یہ دونوں غار میں تھے اور اللہ کے

ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر ان کومانتے ہیں جن کو انہوں نے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا ہے اور ان سے ایسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے کرنی چاہئے اور جو ایمان والے ہیں وہ بہت سخت ہوتے ہیں اللہ کی محبت میں۔ حب اَندَادیعنی معبودان باطل کی محبت اور خدا کی محبت میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اللہ سے محبت کرنے والا ہٹ دھرمی نہیں کرسکتا کیونکہ اللہ کا حکم ہے کہ ہر موقع پر عدل و انصاف سے کام لو، حق کی شہادت دینے والے رہو، کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ شُھَدَآءَ لِلّٰہِ (نساء۔ ۱۳۵)اور معبودان باطل کا کوئی حکم ہی نہیں اگر ہے تو باطل پرستی لہذا وہ جو کچھ کر بیٹھے کم ہے ۔

رسول اپنے صاحب (ساتھی) سے کہہ رہے تھے غمگین نہ ہو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

انبیاء علیمسلم خدا پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں ۔ وہ اعلیٰ درجے کے متوکل بلکہ آداب توکل کے معلم اور متوکلین کے امام و پیشوا ہوتے ہیں ۔ اس غیرمعمولی توکل اور اعتماد کے نتیجے میں غیبی تائید اور نصرت خداوندی کی وہ غیرمعمولی صورتیں بھی پیش آتی رہتی ہیں جو انہیں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں جن کو معجزہ کہاجاتا ہے ۔ اس کے باوجود وہ ظاہری اور مادی اسباب کو نظرانداز نہیں کرتے کیونکہ وہ صرف خانقاہ نشین درویش نہیں ہوتے،ان کی زندگی صرف ان کے لئے نہیں ہوتی وہ نوع انسان کے معلم ہوتے ہیں اور ان کی زندگی پوری نوع انسان کے لئے سبق ہوتی ہے ۔ مکان سے نکلتے وقت قدرت نے خاص طرح کی مدد کی، مگر آپ نے اور آپ کے رفیق خاص نے روپوش رہنے اور خفیہ روانگی کا جو نظام قائم کیا تھا وہ امت کے لئے بہترین سبق ہے ۔ اس کی تفصیل خاص طور پر قابل مطالعہ ہے ۔

دارالندوہ کا وہ اجلاس جس میں آپ کے متعلق غیرمعمولی تجویز منظور کی گئی اور مشترکہ طور پر شہید کرنے کا منصوبہ طے کیاگیا ۔ وہ غالباً صبح کے وقت ہوا۔ اس کی اطلاع بطور تائید غیبی آنحضرتؐکو فوراً ہی ہوگئی[1]

---

[1] ابن سعد کی روایت کا مفہوم یہ ہے کہ یہ منصوبہ طے کرکے لوگ منتشر ہوگئے (اجلا س ختم ہوگیا) جبرئیل

اور فوراً ہی آپ نے روانگی کی تیاری شروع کردی ۔

سیدہ❷ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ روزانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لایا کرتے تھے مگر صبح یا شام کو ۔ ایک روز ہم نے دیکھا کہ ٹھیک دوپہر کے وقت تشریف لارہے ہیں ۔ سرمبارک پر کپڑا ڈالے ہوئے ہیں چہرہ مبارک کو بھی کچھ کپڑے سے چھپائے ہوئے ہیں ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی گئی فوراً حاضر ہوئے ۔ یارسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان یہ ناوقت تشریف آوری کیسی؟

ارشاد ہوا : کچھ بات کرنی ہے تنہائی ہونی چاہئے ۔ کوئی غیر آدمی ہوتو اسے ہٹادو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ: غیر کوئی نہیں دولڑکیاں ہیں ایک آپ کی خادمہ عائشہ دوسری اس کی بہن اسماء۔

فرمایا تمہیں معلوم ہے ؟ مجھے ہجرت کی اجازت❸ مل گئی ہے ۔

علیہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یہ خبر سنائی اور کہاکہ آج کی شب اپنے اس بستر پر آرام نہ فرمائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے یہاں پہنچ ص ۱۵۳ ج ۱ اس تفصیل سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اجلاس صبح کے وقت ہوا ۔

❷ بخاری شریف ص ۵۵۲ تا ۵۵۴

❸ یعنی آج یہ سفر اس لئے نہیں ہے کہ دشمنوں نے قتل کا منصوبہ بنارکھا ہے بلکہ اس لئے ہے کہ اب تک ہجرت کی اجازت نہیں تھی آج مل گئی ہے ۔ اور اگر دارالندوہ کا اجلاس رات کے وقت ہوا تھا تو اگرچہ اس کی اطلاع آنحضرت ﷺ کو فوراً مل گئی تھی مگر دوپہر تک آپ نے

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ: یہ خادم ساتھ رہے گا۔❹
آپ پر میرے ماں باپ قربان یارسول اللہ ﷺ

آنحضرت ﷺ: بہت اچھا ۔

یہ اجازت ایسی بشارت تھی کہ فرط مسرت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا کہ خوشی میں آنسو آجاتے ہیں ۔

پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : دوسانڈنیاں❶ تیار ہیں ان میں سے ایک منظور فرمائیے ۔

آنحضرت ﷺ: ضرور مگر قیمت لینی ہوگی ۔❷

روانگی کا قصد اس لئے نہیں کیا کہ اب تک ہجرت کی اجزات نہیں ملی تھی ۔ اب جیسے ہی اجازت ملی آپ نے تیاری شروع کردی ۔ واللہ اعلم بالصواب

❹ یہ ہے عشق رسول ﷺ اہل وعیال، مال اور جدائیداد وغیرہ کا کوئی تصور سامنے نہیں تھا قلب مضطر کی تڑپ صرف یہ ہے :الصابة بابی انت یارسول اللہ (بخاری شریف ص ۵۵۳) آپ کی رفاقت میرے باپ آپ پر قربان یارسول اللہ ﷺ

❶ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ چار ماہ پہلے یہ سانڈنیاں خریدچکے تھے اور اس خیال سے کہ نہ معلوم کس وقت حکم ہوجائے ان اونٹنیوں کو چرواہے کے سپرد نہیں کیا تھا بلکہ گھر پر کھڑا کرکے ان کو چارہ کھلاتے رہے تھے ۔

❷ واقدی کی روایت ہے کہ ان دونوں کی قیمت آٹھ سو درہم تھی۔ آنحضرت ﷺ نے جو سانڈنی منظور فرمائی وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی قشیر سے خریدی تھی ۔ اس کا نام قصواءرکھاگیا ۔ یہ آنحضرت ﷺ کی سواری میں آخر تک رہی اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بہت کم زندہ رہی ۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے بڑی تیزی سے سامان سفر کی تیاری شروع کردی اور جلدی جلدی میں جو ناشتہ[3] تیار ہوسکتا تھا وہ تیار کرلیا، پھر ہم نے چمڑے کے تھیلے میں ناشتہ بھردیا ، ایک مشکیزہ میں پانی بھر دیا، لیکن تھیلے کا منہ بند کرنے کے لئے کپڑے کی ضرورت تھی اور مشکیزہ میں بھی تسمہ نہیں تھا[4] جس سے اس کو اٹھایا جاسکے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بڑی ہمشیرہ (حضرت اسماء رضی اللہ عنہا) نے فوراً اپنے نطاق[5] کے دو حصے کرلئے [6] ایک میں کھانے کا تھیلہ باندھ دیا، دوسرے میں مشکیزہ باندھ دیا تاکہ اس کو اٹھایا جاسکے ۔

روانگی : آنحضرتﷺ دولت کدہ سے روانہ ہوکر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے ، پھر یہ دونوں مکان کی پشت کی[7] طرف سے کھڑکی سے نکل کر کوہ ثور کی طرف روانہ ہوگئے جو مکہ معظمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے،

میں اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا ۔ (فتح الباری ص ۱۸۷ ج ۷)

[3] پراٹھے نہیں تھے صرف ابلا ہوا بھنا ہوا بکری کا گوشت تھا (فتح الباری بحوالہ واقدی ص ۱۸۸ ج ۷)

[4] لیس فیها عصام (سیرۃ ابن ہشام ص ۲۹۲ ج ا)

[5] نطاق خاص قسم کا تہہ بند ہوتا تھا اس کا عرض تقریباً ڈھائی میٹر (۹۰انچ) ہوتا تھا ، اس کو بیچ سے باندھ دیا جاتا ، پھر اوپر کا حصہ نیچے لٹکادیا جاتا جس سے یہ دہرا ہوجاتا تھا ۔ (مجمع البحار وفتح الباری ص ۱۸۸ ج ۷)

[6] یہ ایثار عنداللہ مقبول ہوا ، چنانچہ آپ کا خطاب ذات النطاقین ہوگیا ۔ (بخاری شریف ص ۸۱۱)

[7] سیرۃ ابن ہشام ص ۲۹۱ ج ۱ البدایہ والنہایہ ص ۱۷۸ ج ۳

اور جس کی چوٹی پر یہ غار ہے جس نے غـار ثـور کے نام سے غیرفانی شہرت حاصل کی ہے

جب آپ روانہ ہوئے تو یہ دعا زبـان مبـارک پـر تھی :[4]

”الحمدللّٰہ الذی خلقنی ولم اک شـیئاً اللّٰھم اعنّی علیٰ ھول الدنیا و بوائق الدھر ومصائب اللیـالی والایام ۔ اللّٰھم اصحبنی فی سفری واخلفنی فی اھلی و بـارک لی فیمـار زقتـنی ولـک فـذللنی و علی صـالح خلقی فقومـنی والیـک رب فحبـنی والی النـاس فلاتکلـنی۔ رب المستضـعفین وانت ربی۔ اعوذ بوجھک الکریم الذی اشرقت لہ السمٰوٰت والارض وکشـفت بہ الظلمـات وصـلح علیہ امرالاولین والاخـرین ان تحـل علیّ غضـبک وتـزل بی سخطک۔ واعوذبـک من زوال نعمتـک و فجائۃ نقمتـک و تحـول عافیتـک و جمیـع سـخطک۔ لـک العقبیٰ۔ عندی خیرما اسـتطعت لا حـول ولا قـوۃ الابک“[5]

---

[4] ایضاً البدایہ والنہایہ ص ۱۷۸ ج ۳

[5] تـرجمہ : “اس خـدا کی حمـد جس نے مجھے پیـدا کیـا درانحـالیکہ میں کچھ بھی نہیں تھـا (مجھے نیسـت سـے ہست کیا) اے اللہ میری مدد فرما، دنیا کی دہشت، زمـانے کے ہلاکت انگیز واقعات، رات اوردنوں (گردش روز و شب) کی مصیبتوں کے مقابلے پر اے اللہ تو مـیرا سـاتھی بن، وہ میرے سفر میں اور میرا قـائم مقـام بن مـیرے اہل وعیـال میں میرے بعد، (مـیری غیبـوبت میں تـو ان کـا محافـظ اور نگـراں رہ) اور اے اللہ جـو تـو مجھ کـو رزق دے اس میں بـرکت عطافرمـا اور اے اللہ صـرف اپـنی ذات کے لـئے ہی ایسا کر کہ مجھے اپنا مطیع اور اپنے سامنے عاجز بنا کسـی اور کے سـامنے مجھے عـاجز اور ذلیـل نہ کـرے اے اللہ نہایت صالح اور مناسب اعمال پر میری تربیت فرما ! افعال خـیر

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ساتھ ساتھ تھے مگر جذبہ بیتاب قابل دید تھا، کبھی آگے چلتے کبھی پیچھے۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت کیا تو عرض کیا یارسول اللہ آگے چلتا ہوں کہ حضور کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ خیال آتا ہے کہ شاید پیچھے سے تعاقب کرنے والے پہنچ جائیں تو پیچھے ہوجاتا ہوں ۔ رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا : تمہیں اپنی جان کا خطرہ نہیں ہے ۔ عرض کیا حضرت وہ تو قربان ہونے کے لئے ہی ہے ۔❷

راستہ طے ہوا ۔ غار کے کنارے پہنچے تو عرض کیا : حضرت ذرا توقف فرمائیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غا ر کے اندر اترے، صاف کیا پھر

کے بہترین سانچے میں مجھے ڈھال دے اور اے میرے رب صرف اپنی طرف کی محبت ہی میرے اندر بھردے اور جہاں تک انسانوں کا تعلق ہے اے اللہ مجھے تو ان کے حوالے مت کر۔ اے کمزوروں کے رب تو ہی میرا رب ہے ۔ میں تیری اس باعزت ذات کی جس کی برکت سے آسمان اور زمین روشن ہیں اور جس سے تمام تاریکیاں فنا ہوجاتی ہیں اور جس کے فضل و کرم سے پہلے لوگوں اور بعد والوں کا سب کا معاملہ درست ہوا ،پناہ لیتا ہوں اس سے کہ میرے اوپر تیرا غضب اور تیری ناراضگی نازل ہو ۔ میں تیری پناہ لیتا ہوں اس سے کہ تیرا انعام مجھ کو نصیب نہ ہو یا اس سے کہ تیرا عتاب دفعۃً مجھ پر نازل ہو جائے اور پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ تیری معافی جو مجھے میسر ہے اس میں تبدیلی آجائے اور میں ایسی ہر چیز سے پناہ چاہتا ہوں جو تیری ناراضی کا سبب ہو انجام کار تیرے ہی لئے ہے ۔ میں جہاں تک میرے امکان میں ہے خیر اور بھلائی ہی کی کوشش کرتا ہوں (مگر) تیرے بغیر نہ کوئی طاقت ہے نہ کوئی قوت ہے جو کچھ قوت وطاقت ہے وہ تجھ سے ہی ہے ۔“

❷ دلائل النبوت للبیہقی بحوالہ فتح الباری ص ۱۸۹ج ۲

آقا دوجہاں ﷺ سے عرض کیا تشریف لایئے ۔

ان کو کیا فکر جن کا ساتھی اللہ ہو :

سو اونٹ کا انعام جو قریش کی طرف سے مقرر کیاگیا تھا معمولی نہیں تھا۔ مکے والوں کی بہت سی ٹولیاں انعام کے شوق میں دوڑپڑیں۔ کچھ ٹولیاں اس طرف بھی آئیں ۔ ایک ٹولی غار کے قریب پہنچی تو وہاں سے کبوتر اڑے۔ ایک ٹولی جھاڑ کے قریب تک پہنچی، اس نے دیکھا کہ جھاڑ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے۔ وہ جالا دیکھ کر واپس ہوگئی ۔❸

ایک ٹولی اوپر چڑھی اور غار کے کنارے کے اوپر سے اس طرح گزر گئی کہ سیدنا ابوبکر صدیق ضللہعنہ نے ان کے پاؤ دیکھے۔ یہ ٹولی گزرچکی تو حضرت صدیق ضللہعنہ نے عرض کیا ۔

لوان احد هم نظرالیٰ قدمیہ لابصرنا

”اگر ان میں سے کوئی اپنے پیروں پر نظرڈالتا تو ہمیں دیکھ لیتا“

یہ نبی کا اطمینان و اعتماد تھا کہ برجستہ جواب دیا ۔

اسکت یا ابابکر اثنان اللّٰہ ثالثها ❶

“خاموش رہو ابوبکر ہم دو ہمارا تیسرا اللہ ہے ۔”

وفی روایة ماظنک یاابابکر باثنین اللّٰہ، ثالثها❷

---

❸ طبقات ابن سعد جلد اول ص ۱۵۴

❶ بخاری شریف ص ۵۵۸

❷ ایضاً ص ۵۱۶ وفتح الباری

ایـــک روایت میں ہے ہے: ابـــوبکر ! ان دو کے متعلق تم کیا گمـان رکھـتے ہو جن کـا تیسـرا اللہ ہے۔

سرور کائنات ﷺکی یہ زحمت³سفر، صدیق اکبر ضـللہعنہ کی رفـاقت اور رحمۃ اللعـالمین ﷺکـا یہ اعتماد بارگاہ رب العزت میں قبـول ہوا ۔چنـانچہ سـورہ تـوبہ کی اس آیت (مـذکورہ عنـوان) میں اس کا ذکر فرمایا گیا ۔

سب کچھ قربان

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ(الحشر ۔ ۹)

(وہ مقدم رکھتے ہیں اپنے نفسوں پـر بـاوجود یکہ خـود انکـو شـدید حـاجت اور سـخت ضـرورت ہوتی ہے)

یہ آیت اگــرچہ ہجــرت ســے کـئی ســال بعــد حضـرات انصـار (ضـنللہعلیہمجمعین) کے بـارے میں نــازل ہوئی مگــر اس کی عملی مثــال حضــرت صدیق اکـبر ضـللہعنہ پہلے ہی پیش کـرچکے تھے ۔ جب آپ نے ســفر ہجــرت کے وقت اپــنی پــوری پــونجی ســاتھ لے لی تھی۔ پـانچ چھ ہزار آپ کے پاس نقد تھے۔ آپ روانہ ہوئے تو آپ نے ســب رقم ساتھ لے لی اور اہل و عیـال کـو خـدا کے نـام پـر چھوڑدیا ۔ آپ کے بچوں کا ایثار یہ تھـا کہ اس کی نہ ان کو کوئی ناگواری ہوئی نہ تہی دستی ســے

³ یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ یہ سفر اور غارمیں قیام ستمبر کے مہینہ میں ہوا جو سـخت گـرمی کـا مہینہ ہوتـا ہے۔

پریشانی، گویا خود ان کی بھی یہی خواہش تھی ۔ انتہا یہ کہ جب حضرب ابوبکر ضاللہعنہ کے والد ابو قحافہ کو خبر ہوئی کہ ابوبکر ضاللہعنہ چلے گئے تو بچوں کے پاس آئے اور فرمایا : ابوبکر ضاللہعنہ تو چلے ہی گئے کچھ تمہارے لئے بھی چھوڑ گئے ہیں ؟ میرا خیال یہ ہے کہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب لے گئے۔

جان سے تو گئے ہی مال بھی لے گئے ۔ تمہیں خالی چھوڑ گئے ۔ تو بڑی صاحبزادی حضرت اسماء ضاللہعنہا نے فوراً جواب دیا : نہیں دادا جی ہمارے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں ۔ ابو قحافہ کچھ مطمئن نہیں ہوئے تو حضرت اسماء ضاللہعنہانے اس جگہ جہاں رقم رہا کرتی تھی کنکریاں تھیلی میں بھرکر رکھ دیں۔ دادا کی بصارت جاتی رہی تھی۔ ان کا ہاتھ پکڑ کر لے گئیں اور تھیلی پر ہاتھ رکھ کر بتادیا کہ یہ رقم محفوظ ہے۔ حضرت اسماء ضاللہعنہا فرماتی ہیں کہ یہ محض دادا کو مطمئن کرنے کے لئے کردیا ورنہ واقعہ یہ تھا کہ جو کچھ تھا حضرت ابوبکر ضاللہعنہا سب لے آئے تھے ۔ ہمیں خالی چھوڑ آئے تھے۔[1]

حالات سے باخبر رہنے اور دوسری ضروریات کا انتظام

تین آدمیوں کے خاص خاص کام سپرد کئے گئے

---

[1] سیرت ابن ہشام ص ۲۹۳ ج۱

تھے ۔❷

۱۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فرزندارجمند عبداللہ ❸ نوجوان تھے❹ مگر نہایت ہوشیار، بہت تیز، بات کو تاڑنے والے، پرکھنے والے۔ ان کے ذمہ یہ تھا کہ مخالفین کے اقدامات پر نظررکھیں، حالات کا جائزہ لیتے رہیں ۔

یہ دن بھر مکہ معظمہ میں کنسوئیں لیتے رہتے ۔ دن چھپے اندھیرا ہوجاتا تو غار پر پہنچتے تھے ۔ تمام روئیداد سنادیتے ۔ حالات سے باخبر کردیتے۔ پھر آخر پہر میں مکہ معظمہ پہنچ جاتے گویا رات بھر یہیں رہے ہیں ۔

۲۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ❺ غلام عامر بن فہیرہ جن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کی اجازت نہیں دی تھی بلکہ روک لیا تھا۔ ان کے ذمہ یہ تھا کہ تازہ دودھ آنحضرتﷺکی خدمت میں پیش کرتے رہیں ۔ شام کو جب اندھیرا ہوجاتا یہ بکریاں غار پر لیجاتے دودھ دھتے پھر اس کو گرم کرتے اور سید الکونینﷺاور اپنے آقا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش

---

❷ ماخوذ از بخاری شریف ص ۵۵۴

❸ ان کے حالات آئندہ آئیں گے زیر عنوان متعلقین کی آمد حاشیہ ملاحظہ فرمائیں ۔

❹ غلام شاب، ثقف لقن (بخاری شریف ص ۵۵۳)

❺ مگر آقاؤں کے آقاﷺ بیرمعونہ کے حادثہ میں ان کو شہید کردیا گیا ۔قاتلوں کے سردار عامر بن طفیل نے لوگوں سے دریافت کیا یہ لاش کس کی ہے؟ میں نے دیکھا کہ اس کو اٹھاکر آسمان کی طرف لیجایا گیا ۔ پھر احتیاط سے نیچے اتارا گیا اور رکھ دیاگیا ۔ (بخاری شریف ص ۵۸۷)

کردیتے۔ پھر بکریوں کو ہنکاکر صبح سے پہلے
تڑکے میں مکہ پہنچ جاتے ۔

۳۔ اس زمانہ میں سڑکیں نہیں تھیں اس لئے راستوں اور خصوصاً پہاڑی راستوں سے واقف ہونا بھی ایک خاص فن تھا ۔ اس کے ماہر کو "خریت" کہاکرتے تھے ۔ قافلہ کے ساتھ خریت ضرور ہوتا تھا ۔ اس کی معقول اجرت ہوتی تھی ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنی ویل کے ایک شخص کو جس کا نام عبداللہ بن اریقد تھا (اور عبداللہ بن اریقط بھی کہلاتا تھا) اس خدمت کے لئے طے کرلیاتھا ۔

یہ مسلمان نہیں تھا بلکہ مشرکین مکہ کا ہم مسلک تھا۔ عاص بن وائل سہمی کے خاندان کا حلیف تھا ۔ یہ تو نہیں معلوم کہ اجرت کیا طے ہوئی تھی البتہ ان دونوں بزرگوں کو اس پر پورا اطمینان تھا[٥] یہاں تک کہ دونوں سانڈنیاں اس کے حوالہ کردی تھیں اور بتادیا تھاکہ تین رات گزرنے کے بعد وہ چوتھے دن صبح سویرے غارثور میں پہنچ جائے ۔

یہ خریت وعدہ کے مطابق ٹھیک وقت پر پہنچا اور یہ حضرات سوار ہوکر روانہ ہوگئے۔ خریت نے سیدھا راستہ چھوڑ کر ساحل سمندر کا راستہ اختیار کیا جوچکر کاٹ کر مدینہ پہنچتا تھا۔ ایک

---

[٥] اطمینان کا سبب بظاہر یہ حلف ہی تھا۔ اس کی تفصیل مقدمہ میں ملاحظہ ہو ۔ زیر عنوان معاہدات

ہفتہ بعد ۱۲ ربیع الاول[2] کو پیر[3] کے دن یہ مقدس قافلہ منزل مقصود پر پہنچا ۔

باہوش و باتدبیر رفاقت

غار ثور سے روانہ ہوئے تو تمام رات چلتے رہے۔ اگلے دن دوپہر کا وقت ہوگیا، دھوپ تیز ہوگئی۔ اس کھلے ہوئے لق ودق میدان میں پتھر کی چٹان کے نیچے کچھ سایہ تھا ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو غنیمت سمجھا۔ میں چٹان پر پہنچا۔ آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے گیا ۔ میرے ساتھ ایک فروة چمڑے کا بستر تھا۔ میں نے اس کو سایہ میں بچھادیا اور اپنے آقا (آقاءدوجہاں) کو اس پر لٹادیا ۔

پھر میں نے نظر دوڑائی تو ایک چرواہے کو دیکھا جو بکریوں کے چھوٹے سے گلے کو ہکاتے ہوئے اس طرف لارہا تھا ۔ اور وہ بھی اس چٹان کے سایہ میں آرام کرنا چاہتا تھا ۔ میں اس کے پاس پہنچا اور دریافت کیا یہ بکریاں کس کی ہیں ؟ تمہارا کون مالک ہے؟ چرواہے نے ایک

---

[2] ابن سعد ابن ہشام و غیرہ

[3] عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے : آنحضرت ﷺ کی ولادت پیر (دوشنبہ) کے روز ہوئی ۔ پیر ہی کو نبوت عطا ہوئی، پیر کے دن ہی مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور پیر کے دن ہی مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے ۔ (مسند احمد) ابن سعد اور ابن ہشام وغیرہ نے بھی پیر کا دن ہی بیان کیا ہے لیکن تقویم سنہ عیسوی و سنہ ہجری کے لحاظ سے یکم ربیع الاول پیر کے دن ہوتی ہے تو ۱۲ ربیع الاول کو پیر کا دن نہیں ہوتا بظاہر تقویمات کا فرق ہے ۔

شخص کا نام لیا ہے جس کو میں جانتا تھا میں نے دریافت کیا کہ کیا کوئی بکری دودھ دیتی ہے؟ اور کہا تم دودھ دے سکتے ہو؟ اس نے اقرار کیا۔ چنانچہ وہ ایک بکری پکڑ کر لے آیا۔ میں نے کہا پہلے تم بکری کے تھن پونچھ کر صاف کرو، پھر اپنے ہاتھ صاف کرو، پھر دودھ نکالو ۔ اس نے میری فرمائش پر عمل کیا ۔ اور تھوڑا سا دودھ دوھ کر مجھے دیا۔

میں نے آنحضرتﷺکے لئے ایک چھاگل میں پانی رکھ چھوڑا تھا اس کے منہ پر کپڑا باندھ رکھاتھا کہ گردوغبار نہ پڑے۔ میں نے دودھ میں اتنا پانی ڈالا کہ تلی تک تمام دودھ ٹھنڈا ہوگیا (دودھ کی لسی بنالی) پھر میں نے آنحضرتﷺکی خدمت میں پیش کیا ۔ آپ نے نوش فرمایا ۔ میرا جی خوش ہوگیا ۔[1]

راستہ کی مختصر سرگزشت

وَاللہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ۔ ۶۷)(اور اللہ آپ کی حفاظت کرے گا لوگوں سے)

آیت کا نزول اگرچہ بعد میں ہوا مگر حفاظت خداوندی کا عجیب و غریب ظہور اس سفر میں ہوچکا تھا ۔ سراقہ بن مالک بن جعشم[2]کا واقعہ اس کی مثال ہے ۔ یہ قبیلہ بنی مدلج کا ایک شیخ تھا ۔ اعلانچی اس کے یہاں بھی پہنچے تھے اور یہ اعلان اس نے بھی سنا تھا جو قریش نے آنحضرتﷺ

---

[1] بخاری شریف ص ۵۵۶ و ص ۳۳۰ وغیرہ
[2] ماخوذ از بخاری شریف ص ۵۵۶

اور آپ کے رفیق سفر کے گرفتار کرنے یا قتل کرنے والے کے متعلق کیا تھا۔ سراقہ بیان کرتے ہیں کہ میں قبیلہ میں ایک چوپال میں بیٹھا ہوا تھا کہ کچھ آدمیوں نے آکر کہا کہ سمندر کے کنارے جاتے ہوئے کچھ آدمیوں کی پرچھائیاں سی نظرآئی ہیں، ہمارا خیال ہے کہ محمد اور اس کے ساتھی ہیں ۔ ([illegible])

سراقہ کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں بھی یہی آیا کہ ان کا خیال صحیح ہے۔ مگر اس شوق میں کہ سارا انعام تنہا میں حاصل کرلوں میں نے ان کی بات ٹال دی ۔ میں نے کہاکہ محمد یہاں کہاں ؟ فلاں فلاں آدمی ہمارے سامنے سے گزرے ہیں ۔ یہ وہ لوگ ہونگے ۔ خبردینے والوں نے میری بات مان لی، کسی اور نے کچھ خیال نہیں کیا ۔ میں تھوڑی دیر وہاں بیٹھا رہا پھر خاموشی سے اٹھا اپنے مکان میں گیا ۔ باندی سے کہا میری گھوڑی ٹیلے کے پیچھے چررہی ہے۔ اس کو لے آ اور تیار کردے ۔ میں نے بھی ضروری سامان ٹھیک کرلیا ۔ پھر میں نے نیزہ لیا اور اس خیال سے کہ لوگ نیزہ دیکھ نہ لیں، اسکی بھال ہاتھ میں لی اور پھولی زمین پر ڈال کر کھینچتا ہوا چلا اور مکان کی پشت کی طرف سے نکل کر گھوڑی پر سوار ہوگیا۔ وہ کبھی دلکی اور کبھی پویا دوڑتی ہوئی مجھے لے چلی ۔ یہاں تک کہ میں آنحضرت ﷺکے قریب پہنچ گیا۔ اچانک گھوڑی کو ٹھوکر لگی اور میں زمین پر آرہا ۔ میں فوراً اٹھا میرے ترکش میں فال معلوم کرنے والے تیرتھے۔ میں نے ان کو نکالا اور میں نے یہ معلوم کرنا چاہا کہ

میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا نہیں ۔ اتفاق سے میری مرضی کے خلاف فال نکلی ۔ مگر میں نے اس کا خیال نہیں کیا ۔ میں نے فال کے فیصلے سے بغاوت کی۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوا اور اس کو تیز دوڑا دیا اور اتنے قریب پہنچ گیا کہ آنحضرتؐ کی تلاوت کی آواز میرے کانوں میں آنے لگی ۔

آنحضرتؐ تلاوت کلام اللہ میں مشغول تھے۔ آپ کسی اور طرف دھیان قطعاً نہیں دے رہے تھے۔ البتہ ابوبکر رضی اللہ عنہ دائیں بائیں سب طرف دیکھتے ہوئے چل رہے تھے ۔

جب میں اتنے قریب پہنچ گیا تو دفعتہ میری گھوڑی کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں نیچے گرگیا ۔ میں اٹھا میں نے گھوڑے کو اٹھایا اس کو ڈانٹا، اس کے پیر زمین سے بڑی مشکل سے نکلے ۔ ساتھ ساتھ پیروں کی جگہ سے دھوئیں کی طرح غبار نکلا جو آسمان کی طرف چڑھ رہا تھا ۔ اب میں نے پھر فال نکالی ۔ اس مرتبہ بھی فال میری مرضی کے خلاف ہی نکلی ۔ تو میں نے ہمت ہاردی، فال کی مخالفت نہیں کی اور میرے دل میں یہ بات جم گئی کہ محمد رسول اللہ(ﷺ)ضرور کامیاب ہونگے میں نے وہیں سے پکار کر کہا : میں آپ صاحبان سے امن چاہتا ہوں ۔

یہ حضرات ٹھہرے میں نے ان کے قریب جاکر قریش کی تمام باتیں جواب تک کرچکے تھے اور جو وہ آئندہ کرنے والے تھے ان کو سنا دیں ۔میں

نے آپ کی خدمت میں کچھ ناشتے اور کچھ سامان پیش کرنا چاہا مگر میری پیش کش ان حضرات نے منظور نہیں فرمائی ۔

میں نے یہ بھی [1]عرض کیا کہ میرے اونٹ آپ کو راستے میں ملیں گے ان کے ساتھ چرواہے بھی ہیں۔ میں اپنا تیر دیئے دیتا ہوں یہ ان کو دکھا دیں اور جتنے دودھ کی ضرورت ہو آپ ان سے لے لیں ۔ مگر ان حضرات نے میری کوئی پیش کش منظور نہیں فرمائی ۔ صرف ایک فرمائش کی کہ کسی کو ہماری خبر نہ کرنا ۔ میں نے وعدہ کیا اور ساتھ ہی یہ بھی درخواست کی کہ میرے لئے امن کا پروانہ لکھ دیں ۔

آنحضرتﷺنے عامر بن فہیرہ کو حکم فرمایا انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر پروانہ امن لکھ کر سراقہ کو دے دیا ۔ پھر یہ حضرات مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے اور سراقہ مکہ کی طرف واپس ہوا۔

سراقہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ راستے میں جو ملتے رہے ان کو اطمینان دلاکر واپس کرتا رہا کہ میں دور تک دیکھ آیا ہوں اس طرف کوئی نہیں ہے ۔ اس طرح بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ سراقہ بن مالک بن جعشم کی مختصر روائداد یہ ہے کہ صبح کے وقت حملہ آور، شام کے وقت محافظ ۔[2]

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ملاقات اور پیش کش :

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا عجیب کرشمہ

---

[1] بخاری شریف ۵۵۶

[2] بخاری شریف ص ۵۵۴ ،

ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنا نطاق چاک کرکے اس میں ناشتہ دان اور مشکیزہ باندھا تھا۔ ان کے شوہر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں خلعت پیش کیا ۔ (جس کی تفصیل یہ ہے)

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ کچھ اور تاجر بسلسلہ تجارت شام گئے تھے وہاں سے واپس ہورہے تھے کہ راستہ میں ان مقدس مہاجرین سے ملاقات ہوگئی۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے سفید کپڑے کا جوڑا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کیا اور ایک جوڑا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہنایا۔[1] ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس قافلہ میں حضرت عمر، حضرت طلحہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ واپسی کے وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آگے آگئے تھے جب مدینہ کے قریب پہنچے تو باقی حضرات سے ملاقات ہوئی۔ وہاں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان دونوں حضرات کی خدمت میں جوڑے پیش کئے۔

یثرب میں ورود مسعود

وَ قُل رَّبِّ اَنزِلۡنِیۡ مُنۡزَلًا مُّبٰرَکًا وَّ اَنۡتَ خَیۡرُ الۡمُنۡزِلِیۡنَ

(سورہ مومنون۔۲۹)

”کہو! اے میرے پروردگار مجھے برکت کے ساتھ اتار اور تو بہتر اتارنے والا ہے “

یا معشرالعرب هذا جدکم الذی تنتظرون اللہ اکبر جاءمحمد اللہ اکبر جاءمحمد۔

---

[1] فتح الباری ص ۱۹۳ ج ۷

تذکرہ سید نا نوح علیسلم کے ضمن میں اس دعا کی تلقین مکہ معظمہ میں ہوئی تھی ۔ آنحضرتﷺاس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ آج آپ کے حق میں اس کی مقبولیت ظاہر ہورہی ہے جبکہ معصوم بچیوں کے معصوم جزبات اس ترانہ سے آپ کا استقبال کررہے ہیں :

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ماد عاللہ داع

”ثنیات[2] ا لوداع سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا، ہم پر اللہ کا شکر واجب ہوگیا جب تک کوئی دعا کرنے والا دعا کرے (ہمیشہ ہمیشہ کے لئے)

مدینہ میں روانگی کی خبر :

ڈاک کا سلسلہ اس وقت نہیں تھا مگر آنے جانے والوں کے منہ زبانی خبریں پہنچ جاتی تھیں ۔ مشتاقان دیدار کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ ان کا محبوب مکہ معظمہ سے نکل چکا ہے۔ اب انتظار کے دن اور گھڑیاں گنی جارہی تھیں ۔ طلوع آفتاب سے بہت پہلے، پوپھٹنے کے وقت لوگ اٹھتے اور مدینہ سے باہر حرہ[1]پہنچ کر آفتاب رسالت کے طلوع ہونے کا انتظار کرنے لگتے۔ اسی انتظار میں دوپہر ہوجاتا۔ مسافروں کی آمد کا

---

[2] ثنیہ: گھاٹی اور وداع کے معنیٰ ہیں رخصت کرنا۔ چونکہ لمباسفر کرنے والوں کو رخصت کرنے کے لئے اہل یثرب یہاں تک آیا کرتے تھے اس لئے یہ نام پڑگیا (معجم البدان)

[1] بخاری شریف ص ۵۵۵

وقت ختم ہوجاتا تو مرجھائے دلوں کو بے تاب سینوں میں دبائے ہوئے واپس ہوجاتے۔ ایک روز اسی پژمردگی اور افسردگی کے ساتھ واپس ہوئے تھے کہ ایک آواز نے عورتوں اور بچوں تک کو وارفتہ مسرت بنادیا ۔

یامعاشر[2]العرب هذا جدكم الذى تنتظرون

ایک یہودی اپنی کسی ضرورت سے ایک پرانے قلعہ کی اونچی اٹاری پر چڑھا تھا اس کی نظر چند سفید پوش سواروں پر پڑی جو اس طرف چلے آرہے تھے اس کے دل نے گواہی دی کہ انتظار کرنے والوں کی مراد پوری ہوگئی ۔ یہ خود بے تاب نہیں تھا مگر انتظار کرنے والوں کی بیتابی کا اس پر یہ اثر تھا کہ خود قابو میں نہ رہا اور زور سے چیخ اٹھا ۔

”اہل عرب! یہ ٹھیک تمہارے وہی مہمان آگئے جن کا تمہیں انتظار ہے ۔ “

اہل قبا کی خوش نصیبی تھی کہ یہ آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ اب کوئی کیا بتائے جاں بازوں، جاں نثاروں اور فدا کاروں کا کیا حال تھا ۔ وہ کس بے تابی سے دوڑے اورحرے پہنچ کر کس طرح رحمۃ اللعالمین ﷺ کے زیرِ پا اپنی آنکھیں بچھائیں ، نظر اشتیاق کو فرش راہ بنایا ۔ قبیلہ بنی عمروبن عوف جو اوس کا بطن تھا[3]یہاں آباد تھا۔ یہ خوش نصیب اسی قبیلہ[4] کے لوگ تھے

---

[2] اے اہل عرب یہ آگئے تمہارے آقا، جن کا تم انتظار کررہے تھے ۔

[3] فتح الباری ص ۱۹۴ ۔

[4] طبقات ابن سعد ص ۱۵۸ ج ۱۔

جنہوں نے یہودی کی آواز سنی اور دوڑے ۔ ❺

عرب کا دستور تھا کہ معزز مہمانوں کا استقبال ہتھیاروں سے آراستہ ہوکر کیا کرتے تھے ۔ اس بے تابی میں انہوں نے اپنی اس آن کو نہیں چھوڑا پہلے ہتھیاروں کی طرف لپکے پھر استقبال کو دوڑے ۔

حرہ سے آنحضرت ﷺنے دہنی طرف رخ کیا❻اور پھر پورے مجمع کے ساتھ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں رونق افروز ہوگئے ۔ لوگ آنے شروع ہوئے وہ اپنے قاعدے سے سلام کرتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے۔ سید الکونین ﷺخاموش تشریف فرما تھے۔ رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے تھے اورآنے والوں کا استقبال کررہے تھے۔ جنہوں نے آنحضرت ﷺکو پہلے نہیں دیکھا تھا وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو سلام کررہے تھے۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ آنحضرت ﷺپر دھوپ آگئی تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سرمبارک پر اپنی چادر سے سایہ کرلیا، تب لوگ پہچان سکے کہ خادم کون ہے اور مخدوم کون❶

آرام گاہ اور نشست گاہ :

کلثوم بن ھدم قبیلہ کے بڑے آدمی تھے، یہ شرف ان کو حاصل ہوا کہ آپ نے قیام❷ان کے

---

❺ فثار المسلمون الی السلاح ۔ بخاری شریف ص ۵۵۲ ۔

❻ بخاری شریف ص ۵۵۵ ۔

❶ ایضاً ص ۵۵۵ ۔

❷ اکثر صحابہ جو آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ آچکے وہ بھی انہیں کے یہاں اترے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہ الجراح، حضرت مقداد بن اسود، حضرت

یہاں فرمایا ۔

دوسرے صاحب سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ تھے ۔ ان کا مکان خالی تھا۔ ان کے متعلقین نہیں تھے۔ مکہ سے جو صحابہ رضی اللہ عنہم اس طرح کے آتے تھے وہ بھی انہیں کے یہاں ٹھہرتے تھے۔ اس لئے اس مکان کو بیعت العزاب[3] کہاجانے لگا ۔ یہ مکان آنحضرت ﷺ کی نشست کے لئے طے کیاگیا[4]۔ تلقین و تذکیر بھی یہیں فرماتے تھے ۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سخ میں قیام فرمایا[5]۔ یہ پیر کادن تھا[6] جس روز آفتاب رسالت مدینہ کے خط

خباب، حضرت سہیل، حضرت صفوان، حضرت عیاض، حضرت عبداللہ بن مخرمہ، حضرت وہب بن سعد،حضرت معمربن ابی سرح، حضرت عمیر بن عوف رضی اللہ علیہم اجمعین اب تک انہیں کے مہمان تھے ۔ (ابن سعد تذکرہ کلثوم بن ہدم) آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے چند ماہ بعد ان کی وفات ہوگئی (رضی اللہ عنہ) محمد بن الحسن بن زبالہ نے اخبار المدینہ میں وثوق سے بیان کیا ہے کہ کلثوم بن ہدم اس وقت تک مشرک ہی تھے مسلمان نہیں ہوئے تھے ۔(فتح الباری ص ۱۹۴ ج ۷ وفاءالوفاءص ۱۴۷ ج ۱) اگر یہ صحیح ہے تو اس سے اہل مدینہ کی معاشرت کا پتہ چلتا ہے کہ مذہبوں کے فرق کے باوجود آپس میں تعاون مکمل تھا ۔

[3] عزاب : عازب کی جمع ہے۔ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو ۔

[4] ابن سعد ص ۱۵۸ ج ۱ وابن ہشام ص ۲۹۶ ج ۱

[5] خبیب بن یساف خزرجی یاخارجہ بن زید خزرجی کے یہاں۔ (ابن ہشام ص ۲۹۶ج۱)

[6] تاریخوں میں بہت اختلاف ہے۔ اگر مکہ معظمہ سے روانگی یکم ربیع الاول کو پیر کے دن ہوئی تھی جیسا کہ راقم الحروف نے لکھا ہے، تو اس پیر کو ربیع الاول کی پندرہ ہوگی ۔ خبر المدینہ ابن زبیر نے ابن شہاب (زہری) سے یہی روایت نقل کی ہے کہ نصف ربیع الاول (۱۵ ربیع

استواءپر پہنچا ۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ جن کو آنحضرت ﷺ نے امانتیں پہنچانے کے لئے مکہ معظمہ چھوڑا تھا، تین دن بعد وہ بھی تشریف لے آئے اور آنحضرت ﷺ کے ساتھ قیام کیا ۔[7]

حق پرستوں کا اعتراف حق

سرزمین یثرب میں رسول اللہ ﷺ کا پہلا خطاب

حصین بن سلام ایک یہودی عالم تھے، مطالعہ نہایت وسیع، طبیعت انصاف پسند،اور اپنی قوم کے معزز سردار تھے ۔ جو بشارتیں یہود کی کتاب میں پڑھی تھیں ان کی بنا پر آنے والے نبی کے منتظر تھے ۔ یہ اپنے باغ میں کام کررہے تھے کہ خبر سنی : اللہ کے نبی تشریف لے آئے ۔[1]

الاول) کو تشریف آوری ہوئی (فتح الباری ص ۱۹۴ ج ۷)

[7] ابن ہشام ص ۲۹۶ ج ۱

[1] بخاری شریف کی روایت ص ۵۵۶کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ قبا میں نہیں بلکہ مدینہ میں حاضر خدمت ہوئے جب آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام فرمایا : مگر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ آپ قبا میں قبیلہ بنی عمروبن عوف میں تھے اس وقت عبداللہ بن سلام حاضر ہوئے ہیں (سیرۃ ابن ہشام ص ۳۱۰ ج ۱) اس لئے ہم نے اس واقعہ کو اس موقع پر ذکر کردیا حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچنے پر دوسرا واقعہ ہوا ۔ بخاری کے راوی صاحبان نے ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا تو اشتباہ ہوگیا کہ یہ واقعہ بھی حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام کے دوران ہوا ۔ مگر حقیقت یہ نہیں ہے ابن اسحاق کی روایت جو صرف ایک واسطہ سے ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن

فوراً کام چھوڑ کر نبی کی زیارت کے لئے دوڑے جیسے ہی چہرہ مبارک پر نظر پڑی دل نے شہادت دی ۔

انہ لیس بوجہ کذاب "جھوٹے آدمی کا چہرہ تو نہیں ہے "

آپ فرماتے ہیں : کان اول شیءتکلم بہ ان قال یاایھاالناس افشوالسلام واطعمو الطعام وصلوا والناس نیام تدخلوالجنة بسلام (ترمذی شریف ص ۷۱ ج ۲)

"سب سے پہلے جو بات آپ نے فرمائی وہ یہ تھی کہ اے لوگو سلام کا رواج عام کرو، (پھیلاؤ) کھانا کھلاؤ، اور اس وقت نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں ۔ اطمینان سے جنت میں داخل ہوجاؤ ۔"

یہی حصین بن سلام ہیں جن کا اسلامی نام عبداللہ بن سلام ہے ۔ ضاللہعنہ ان کا سلسلہ نسب حضرت یوسف علیسلم تک پہنچتا ہے ۔ ❷

سلام مسلمان ہوگئے تو انہوں نے چاہا کہ یہود کی افتراپردازی اور غلط بیانی کا تجزیہ آنحضرت ﷺ کو کرادیں ۔ چنانچہ ابھی عبداللہ بن سلام کے اسلام لانیکی شہرت نہیں ہوئی تھی کہ حضرت عبداللہ بن سلامضاللہعنہ کے اصرار پر آنحضرت ﷺ نے یہود کے نمائنندگان کو بلاکر دریافت کیاکہ حصین بن سلام کیسے آدمی ہیں انہوں نے بہت تعریف کی اور کہاکہ سید بن سید اعلم بن اعلم اور ہم میں سب سے بہتر ہیں لیکن جیسے ہی ان یہود ی علماءکو معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہوچکے تو فوراً پلٹ گئے اور اسی مجلس میں کہہ دیا کہ یہ بھی جھوٹے ان کے باپ بھی جھوٹے یہ بھی بدترین انسان ہیں اوران کے باپ بھی بدترین انسان تھے ۔ (ابن ہشام و بخاری شریف وغیرہ)

❷ الاصابہ

قبا سے مدینہ منورہ

جمعہ[1] کے روز صبح سویرے مدینہ کے حضرات آراستہ ہوئے، تلواریں سجائیں اور آقاءدوجہاں کو اپنے یہاں لانے کے لئے قبا پہنچ گئے ۔

کچھ دن چڑھا تو تاجدار دوعالم ا ناقہ قصواء[2] پر سوار ہوئے ۔ صدیق اکبر ضاللہعنہ کو ساتھ[3] بٹھایا (ردیف بنایا) تقریباً پانچ[4] مسلح انصار کی دوصفیں دائیں بائیں ہوگئیں ۔

راستے پر زیارت کرنے والے مردوں کا اور کوٹھوں اور چھتوں پر خانہ نشین خواتین کا ہجوم تھا، جو مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ بھی دیدار کے لئے بیتاب تھے ۔ لڑکے اور بچے جوش مسرت میں نعرے لگارہے تھے ۔

---

[1] مدت قیام میں اختلاف ہے۔ چار روز، چودہ روز، اٹھارہ روز اور ۲۴ روز تک کی روایتیں ہیں۔ لیکن اس پر اتفاق ہے کہ قباسے روانگی جمعہ کے روز ہوئی اور تشریف آوری پیر کے روز ہوئی تھی۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ قبا اور مدینہ دنون جگہ نزول اجلال ربیع الاول کے مہینہ میں ہوا تو بظاہر تاریخوں کا تعین اس طرح ہوتا ہے کہ دولت کدہ سے روانگی یکم ربیع الاول دو شنبہ کے روز غار ثور سے روانگی ۴ ربیع الاول پنج شنبہ، قبامیں تشریف آوری ۱۵ ربیع الاول پیر کے روز مدینہ منورہ میں تشریف آوری ۲۶ ربیع الاول یوم جمعہ، واللہ اعلم بالصواب

[2] یہ وہی ناقہ ہے جس پر آپ نے سفر ہجرت طے فرمایا تھا (ابن سعد)

[3] بخاری شریف ص ۵۵۶ و ص ۵۶۰

[4] فتح الباری ص ۶۰۱ ج ۷ بحوالہ تاریخ صغیرللبخاری والبدایہ والنہایہ ص ۱۹۷ ج ۳ بحوالہ مسند احمد

اللہ اکبر جاءمحمد اللہ اکبر جاءمحمد ⑤

یثرب اور اہل یثرب کے لئے اس سے زیادہ مسرت کا دن کونسا ہوسکتا ہے ؟ آج آسمان نبوت کا آفتاب زمین یثرب پر اتررہا ہے۔ آج وہ نبی رونق افروز ہورہا ہے جس کی بشارتیں کتب سابقہ کے صفحات میں اور اہل کتاب کی زبانوں پر عرصہ سے تھیں ۔ آج ہرطرف یہی صدا ہے یہی چرچا ہے، جاءنبی اللہ جاءنبی اللہ⑥، اللہ کے نبی آگئے اللہ کے نبی آگئے ۔

قبیلۂ بنی سالم تک پہنچے تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ آپ نے جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی⑦۔ نماز جمع کے بعد آپ سوار ہونے لگے تو قبیلہ والوں نے مہارتھام لی اور اصرار کیا کہ آپ یہیں قیام فرمائیں۔ اس کے بعد حضرات انصار (رضی اللہ علیہم اجمعین) کا جو قبیلہ بھی آتا⑧رہا یہی اصرار کرتا رہا کہ غریب خانہ کو دولت خانہ بنائیے۔ مکان حاضر ہے، مال حاضر ہے، جان حاضر ہے۔ لیکن وہ رؤف رحیم جس کا دامن شفقت ہر ایک کے لئے پھیلا ہوا تھا، جس کو کسی کی دل شکنی گوارا نہیں تھی جس طرح اس کا پورا

---

⑤ البدایہ والنہایہ ص ۱۹۷ ج ۳

⑥ بخاری شریف ص ۵۵۶ ، ۵۶۰

⑦ ابن سعد ص ۱۶۰ ج ۱ نے نمازیوں کی تعداد سو لکھی ہے۔ لیکن تاریخ بخاری اور مسند احمد کی روایتوں کے بموجب اگر استقبال کے لئے جانے والوں کی تعداد پانچ سو تھی تو ظاہر ہے نماز جمعہ میں یہ سب ہی شریک ہوئے ہونگے ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

⑧ وفاءالوفا میں ان قبائل کی تفصیل ہے اور جو گفتگو ہوتی رہی وہ بھی نقل کی گئی ہے (ص ۱۸۴ و ۱۸۵ ج ۱)

سفر غیبی اشاروں پر ہوا تھا[1] اس کے ارحم الرحمین رب نے یہاں بھی ایسی صورت کردی کہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی طرف سے کسی کی دل شکنی نہ ہو ، آپ نے خود ہی ناقہ کی مہارچھوڑدی اور اصرار کرنے والوں سے بھی یہی فرمایا کہ وہ مہارچھوڑدیں ، یہ ناقہ[2] مامور ہے۔

---

[1] پہلے گزرچکا ہے کہ صحابہ کرام ہجرت کررہے تھے مگر آنحضرت ﷺ کے حکم کے منتظر تھے اور جب من جانب اللہ اجازت ہوگئی تو آپ فوراً دوپہر ہی میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچے اور فرمایا کہ مجھے اجازت ہوگئی ہے۔ فوراً ہی روانگی کا پروگرام بنالیا اور پھر یہ سفر ہی نہیں بلکہ دار ہجرت کا تعین بھی الہام ربانی سے ہوا تھا جیسا کہ پہلے گزرچکا ہے ۔

[2] ابن سعد ص ۱۶۰ ج ۱ وفتح الباری ص ۱۹۶ ج ۷ علامہ شبلی کو یہ بات عجیب معلوم ہوئی، آپ نے یہ واقعہ حذف کردیا، میزبانی کے سلسلہ میں جو بحث ہوئی تھی صرف اس کا ذکر فرمایا کہ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی ، اور حاشیہ میں فاقہ کے واقعہ کی تردید کرتے ہوئے مسلم شریف کی ایک حدیث سے استدلال کیا جس میں راوی نے بہت اختصار سے کام لیا ہے اور لطف یہ ہے کہ قرعہ اندازی کا تذکرہ فقد منا المدینہ لیلاً، علامہ نے اس کو نظرانداز فرمادیا ، علامہ نے مسلم شریف کے باب الہجرۃ کا حوالہ دیا ہے حالانکہ مسلم شریف میں بابا الہجرۃ کوئی نہیں، اس کا عنوان حدیث الہجرۃ ہے اور علماءمحدثین کی اصطلاح میں اس کو حدیث الرجال بھی کہاجاتا ہے۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے جلد ثانی کے آخر میں اس کو نقل کیا ہے ، ص ۴۱۹ ج ۲ اور واقعہ یہ ہے کہ بسلسلہ قیام چند مرحلے پیش آئے تھے، مثلاً سب سے پہلے قبیلہ کا انتخاب، پھر قبیلہ میں وہ جگہ جہاں آنحضرت ﷺ مستقل قیام فرمائیں ، جہاں مکان بنایا جائے یا مسجد بنائی جائے، پھر مکان بننے تک عارضی قیام، عارضی قیام کے بعد کھانے وغیرہ کا انتظام، اصطبل کا انتخاب جہاں سواری رکھی

جہاں بیٹھ جائے گی وہیں قیام ہوگا ۔

ناقہ چلتی رہی یہاں تک کہ قبیلہ بنی نجار آگیا ۔ اس قبیلہ میں جب ناقہ اس جگہ پہنچی جہاں مسلمان نماز پڑھاکرتے تھے تو ناقہ بیٹھ گئی ۔ آپ نے فرمایا هذا انشاءاللہ منزل[3] ۔ "یہیں انشاءاللہ قیام ہوگا ۔ (مکان بنے گا)

ابھی آپ اترے نہیں تھے کہ ناقہ کھڑی ہوگئی، کچھ چلی، پھر آکر اسی جگہ بیٹھ گئی اور اپنی گردن زمین پر پھیلادی ۔[4]

بنی نجار کو یہ سعادت میسر آئی تو بچے بچے کے دل کی کلی کھل گئی ۔ لڑکیوں نے فوراً ایک شعرموزوں کرلیا ۔

نحن جوار من بنی نجار یاحبذا محمد من جار

"ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ محمد ہمارے پڑوسی بنے ہیں محمد کیسے اچھے پڑوسی ہیں، کس قدر عجیب بات ہے کہ محمد ہمارے پڑوسی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ازراہ شفقت فرمایا: تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ "

سب نے یک زبان ہوکر کہا : ای واللہ یارسول اللہ (ہاں خدا کی قسم یا رسول اللہ)

جائے۔ ان تمام مرحلوں پر بحث ہوئی اور ہر ایک جاں نثار نے سعادت حاصل کرنی چاہی۔ بحث کے بعد معاملہ طے ہوا کبھی قرعہ سے بھی، الہام ربانی سے، کبھی کسی اور صورت سے آئندہ سطور میں یہ تمام مراحل ترتیب وار بیان کئے گئے ہیں ۔ وللہ الحمد

[3] بخاری شریف ص ۵۵۵

[4] ابن ہشام ۲۹۸ ج ۱

ارشاد ہوا :[1]

اناو اللّٰہ احبکم انا واللّٰہ احبکم انا واللّٰہ احبکم

”خدا کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے خدا کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے خدا کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے ۔“

اب قیام کا مسئلہ پیش ہوا ۔ آنحضرتؐنے فرمایا : ہمارے رشتے داروں[2] میں کسی کا مکان قریب ہے؟ یہ خوش نصیبی حضرت خالد بن زید[3]ابو ایوب انصاری ضاللہعنہ کو میسر تھی۔ آپ فوراً بول اٹھے : انا یا نبی اللّٰہ ھذہ داری وھذا بابی (میں حاضر ہوں یارسول اللہ یہ میرا مکان ہے یہ میرا دروازہ ہے)

عجیب بات یہ ہے کہ حضرات انصار نے آپس میں قرعہ ڈالا کہ حضورؐکا قیام کس کے یہاں ہوگا؟ اس میں بھی حضرت ابو ایوب ضاللہعنہ ہی

---

[1] البدایہ والنہایہ ص ۲۰۰ ج ۳ بحوالہ بیہقی

[2] بخاری شریف ص ۵۵۶ چونکہ آنحضرت ؐ کے داد اعبدالمطلب کے نانہیالی رشتہ دار اسی قبیلہ کے تھے تو آپ نے یہ فرمایا :“ ای بیوت اھلنا اقرب”ہمارے رشتہ داروں میں سے کس کا مکان قریب ہے؟اس وقت آقا دوجہان کی زبان مبارک سے قرابت ورشتہ داری کا اظہار ان رشتہ داروں کے لئے بہت بڑا عزاز تھا جیساکہ مسلم کی روایت میں ہے۔ آپ نے اس کا اظہار بھی فرمایا مگر یہ بھی صحیح نہیں کہ نافہ کا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اور آپ نے رشتہ داری کی بنیاد پر بنو نجار کو منتخب فرمایا ۔ ورنہ پھر قرعہ اندازی کی بھی ضرورت نہیں تھی جس کو علامہ شبلی نے بہت اہمیت دی ہے ۔

[3] اصل نام خالد،پسرزید،کنیت ابوایوب، یہ اپنی اس کنیت ہی سے مشہورہیں ۔

کا اسم گرامی برآمد[۴] ہوا تھا۔

قیام کا مسئلہ طے ہوگیا تو ارشاد ہوا:

فانطلق فھیٔ لنامقیلا[۵] "تشریف لے جائیے ہمارے قیلولے کا انتظام کیجئے۔"

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے اندر جاکر آرام فرمانے کا انتظام کیا پھر ان کو لے گئے اور آرام کرایا۔[۶]

حضرت زیدبن ثابت رضی اللہ عنہ[۷] ہمیشہ خوش ہوا

---

[۴] اصابہ ص ۹۰ ج ۲ بحوالہ احمد علامہ شبلی نے اس روایت کو لے کر ناقہ وغیرہ کے تمام واقعات کو حذف کردیا جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں ، حالانکہ اس روایت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل حضرات انصار نے از خود کیا تھا، اور بہت ممکن ہے آنحضرت ﷺ کے یہاں رونق افروز ہونے سے پہلے کیا ہو، کیونکہ روایت میں مدینے میں تشریف آوری کا ذکر ہے قبیلہ بنو نجار میں رونق افروز ہونے کا ذکرنہیں۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں روی احمد من طریق جبیر بن نضیرہ عن ابی ایوب قال لماقدم النبی ﷺ المدینة اقترعت الانصار ایهم یوویه فقرعهم ابو ایوب۔ یعنی حضرات انصار نے خود قرعہ اندازی کی کہ آنحضرت ﷺ کو کون مکان دے گا (کس کے یہاں قیام ہوگا)؟ تو سب کے مقابلے میں ابو ایوب ؓ کانام قرعے میں برآمد ہوا جو حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی موفقات صحابہ کی ایک مثال ہے۔ یعنی صحابہ کرام ؓ نے بھی وہی فیصلہ کیا جو پہلے مشیت خداوندی طے کرچکی تھی ، بعد کے الہام یا وحی نے اس کی توثیق کردی ۔ واللہ اعلم

[۵] بخاری شریف ص ۵۵۶

[۶] فتح الباری ص ۲۰۱

[۷] یہ وہی زید بن ثابت ہیں جو آگے چل کر کاتب وحی اور جامع قرآن اور بہت بڑے فقیہ اور ماہر فرائض ہوئے ، ایسے ذہین کہ سریانی زبان اور سریانی خط پندرہ روز میں لکھ لیا ، اس وقت ان کی عمر صرف گیارہ سال تھی۔ والدہ محترمہ کا اسم گرامی نوار تھا دختر مالک یہ

کرتے تھے کہ سید عالم ﷺ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ
کے یہاں جیسے ہی تشریف لے گئے سب سے پہلا
ہدیہ میری والدہ کا تھا جو آپ نے خود بھی تناول
فرمایا اور حاضرین کو بھی اس میں شریک کیا ۔
میری والدہ نے روٹیوں پر گھی لگاکر دودھ
میںچورا اور ایک بڑے بادیہ میں بھرکر میرے ہاتھ
بھیجا ۔ یہ میری سعادت تھی کہ سب سے پہلا یہ
ہدیہ یہی پیش ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میری
والدہ نے یہ ہدیہ بھیجا ہے، تو آپ نے دعا فرمائی :
بارک اللّٰہ فیک (اللہ تعالیٰ تمہیں برکت
عطافرمائے)۔ پھر حاضرین کو بلاکر سب کے
ساتھ یہ ہدیہ تناول فرمایا اور ابھی میں دروازہ
سے نکلا نہیں تھا کہ حضرت سعد بن عبادہ
رضی اللہ عنہ کے یہاں سے ثرید آگیا ۔ آپ نے اُسے بھی
منظور فرمایا ۔ پھر اگرچہ آپ مہمان ابو ایوب
رضی اللہ عنہ کے تھے مگر روزانہ تین چار انصار کے یہاں
سے نمبروار کھانے کا ہدیہ آتا رہتا تھا۔[4]
دسترخوان مبارک پر چار پانچ کھانے والے ضرور
ہوتے تھے۔ کبھی پندرہ سولہ بھی ہوجاتے تھے ۔[5]

حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ خود بھی کھانا
پکواتے، دسترخوان پر اگرچہ شریک طعام نہیں
ہوتے تھے مگر جو کھانا آنحضرت ﷺ کے سامنے سے آتا
تھا اس کو کھاتے اور خاص اس جگہ سے کھاتے

بھی نجاریہ تھیں (الاصابہ و الاستعیاب)

[4] ابن سعد ۱۶۱ ج ۱ خصوصاً حضرت سعد بن عبادہ اورحضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے یہاں سے تو روزانہ طشت بھرکر کھانا آتا تھا۔ وفاءالوفاءص ۱۹۰ ج ۱

[5] ۲۔ ایضاً

جہاں آقا دوجہاں کی انگلیوں کے نشان معلوم ہوتے تھے ۔ [6]

بالائی منزل میں قیام :

حضرت ابو ایوب ضللہعنہ کے مکان کی دو منزلیں تھیں ۔ آپ نے نیچے کی منزل آنحضرتﷺ کے لئے خالی کردی ، خود اوپر چلے گئے ۔ ایک روز اتفاق سے اوپر کی منزل میں پانی کا برتن (گھڑا یا مٹکا) ٹوٹ گیا ۔ ابو ایوب ضللہعنہ کو خدشہ ہوا کہ پانی نیچے ٹپکے گا اور تاجدار ودجہاںﷺکو تکلیف ہوگی، گھر میں ایک لحاف تھا فوراً اسی کو پانی پر ڈال دیا کہ پانی جذب ہوجائے نیچے نہ ٹپکے ۔ [1]

ایک روز خیال آیا کہ سردار دوجہاںﷺنیچے ہیں اور ہم اوپر، کیسی بے ادبی ہے ؟ فوراً ایک کنارے سمٹ گئے اور اسی طرح رات گزاردی ۔ صبح کو آنحضرتﷺسے درخواست کی کہ اوپر قیام فرمائیں۔ آنحضرتﷺنے فرمایا: آنے جانے والوں کو

---

[6] علامہ نووی ؒ نے اس حدیث سے چند مسئلے اخذ کئے ہیں : (۱) ہر موقع اور ہر جگہ پر برتن کا صاف کرنا مستحب نہیں بلکہ بچے ہوئے کھانے یا پینے والے برتن میں کچھ چھوڑدینا مستحب ہے۔(۲) خصوصاً جب معلوم ہوکہ لوگ اس کو تبرک سمجھ کر کھائیں گے(۳) یا کھانا کم ہو اور دوسرے کھانے والے موجود ہوں (۴) یا جیسا کہ بعض جگہ ہوتا ہے کہ پورا کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے اور اہل خانہ بعد میں بچا ہوا کھانا کھاتے ہیں۔ بظاہر حضرت ابوایوب ضللہعنہ کا یہی طریقہ تھا ۔ (نودی علی مسلم ص ۱۸۳ ج ۱)

[1] وفاءالوفاءص ۱۸۸ سیرۃ ابن ہشام

اسی میں آسانی ہے، حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے دست بستہ عرض کیا :

لاعلو سقیفۃً انت تحتها❷

”میں تو اس چھت پر چڑھ نہیں سکتا جس کے نیچے حضور والا ہوں ۔“

رحمت عالم ﷺ نے درخواست منظور فرمائی اور اوپر منتقل ہوگئے ۔ سات ماہ اسی مکان میں قیام رہا، جب مسجد اور حجرے تیار ہوگئے تب آپ وہاں تشریف لے گئے ۔ (تفصیل آگے آتی ہے ۔ انشاءاللہ)

قصواءکا قیام اور حضرت اسعد رضی اللہ عنہ کا والہانہ جذبہ:

حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ جو بیعت عقبہ اولیٰ میں شریک تھے اور تبلیغی کوششوں میں آنحضرت ﷺ کے فرستادہ معلم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے شریک رہے تھے، ان کا مکان بہت وسیع تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا قیام انہیں کے یہاں رہا تھا۔ ان کے علاوہ اور حضرات بھی جو تشریف لاتے تھے ان کے یہاں قیام فرمایا کرتے تھے ۔

جب انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کا قیام حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے یہاں طے ہوگیا ہے تو ناقہ کی مہار پکڑی اور اپنے یہاں لے گئے ❸ کہ یہ بھی ایک شرف اور جذبہ شوق کو تسکین دینے

---

❷ مسلم شریف ص ۱۸۳ ج ۲

❸ طبقات ابن سعد ص ۱۶۰ ج ۱

والی ایک سعادت تھی ۔

متعلقین کی آمد :

مدینہ میں آکر آپ نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابورافع (رضی اللہ عنہم)[1] کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دیکر مکہ بھیجا کہ متعلقین کو لے آئیں ۔ صاحبزادیوں میں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبش میں تھیں ۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر ابو العاص بن ربیع نے آنے نہیں دیا ۔ بس حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور دو صاحبزادیاں ام کلثوم رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا آئیں۔ ان کے علاوہ حضرت زید اپنی اہلیہ ام ایمن اور اپنے فرزند اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لے آئے ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ[2] کو بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کے

---

[1] آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، قبطی تھے ۔

[2] حضرت عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوتیلے اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے حقیقی (ماں شریک)بھائی تھے ۔ غزوہ فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شریک رہے۔ جب غزوہ حنین کے بعد طائف پر حملہ کیاگیا تو انکے ایک تیرلگا اسکا زخم اوپر سے مندمل ہوگیا مگر اندر اندر پھوڑا بن گیا ۔ تقریباً دو سال تک یہ پھوڑا رہا ۔ آنحضرت ﷺ کی وفات سے تقریباً ساٹ ماہ بعد شوال سنہ ١١ ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پھوڑے کے پھٹنے سے ان کی وفات ہوگئی ۔ آنحضرت ﷺ کے کفن کے لئے ایک حلہ لایا گیا تھا یعنی یمن کی بنی ہوئی دھاریدار چادروں کا جوڑا۔ مگر آنحضرت ﷺ کا کفن سفید سوتی کپڑے کا بنایا گیا ۔ یہ حلہ کام میں نہیں آیا تو

ساتھ بھیجا تھا ۔ حضرت ابوبکر ضللہعنہ کے متعلقین کو وہ اپنے ساتھ لائے ۔ حضرت عائشہ ضللہعنہا بھی ان کے ساتھ آئیں ۔ ان سب کو حارثہ❸بن نعمان کے مکان میں ٹھہرایا گیا ۔ ❹

نیا دور ۔ غیرمحدود میدان عمل

قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ لَهٗ

حضرت عبداللہ نے اپنے کفن کے لئے نودینار میں خریدلیا تھا۔ لیکن وفات کے وقت وصیت کردی کہ اس کا کفن نہ بنایا جائے کیونکہ اگر اس کپڑے کا کفن اچھا ہوتا تو آنحضرت ﷺ کا کفن اسی کا ہوتا ۔ جب آنحضرت ﷺ کے لئے اس کو منتخب نہیں کیاگیا تو میں بھی اس کو اپنے لئے پسند نہیں کرتا ۔ یہ تھا نازک احساس عاشقان اتباع سنت کا ۔ ضللہعنہ (الاستیعاب)

❸ حارثہ بن نعمان ضللہعنہ جلیل القدر صحابی تھے۔ کسی سائل کو دروازہ سے محروم نہیں جانے دیتے تھے اور جو کچھ دیتے وہ خود اپنے ہاتھ سے دیتے تھے ۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی تو جہاں ان کی نشست رہتی تھی وہاں سے دروازے تک ایک رسی باندھ لی تھی ۔ دروازے میں کھجوروں کا ٹوکرا رکھا رہتا تھا، جب سائل آتا تو یہ رسی پکڑ کر دروازے تک جاتے اور خود اپنے ہاتھ سے فقیر کو دیتے تھے ۔ بچوں نے عرض کیا کہ یہ خدمت ہم انجام دے سکتے ہیں ۔ فرمایا: آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے : مناولة السکین تقی میتت سوء(یعنی مسکین کو خود اپنے ہاتھ سے دینا بری موت سے محفوظ رکھتا ہے)۔ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل امین انسانی شکل میں نزول فرما ہوئے اور آنحضرت ﷺ کو کوئی پیغام پہنچایا : حاضرین کو نہ پیغام کی خبر ہوئی نہ حضرت جبرئیل کی تشریف آوری کی ۔ مگر حضرت حارثہ ضللہعنہ نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا : یہ صاحب کون تھے جو آپ سے گفتگو فرمارہے تھے؟ یہ حضرت حارثہ ضللہعنہ کی مخصوص فضیلت تھی کہ آپ نے حضرت جبرئیل کو دیکھ لیا ۔ آنحضرت ﷺ کو تعجب ہوا اور ایک امتی کی اس فضیلت پر مسرت بھی ظاہر فرمائی ۔ حضرت معاویہ ضللہعنہ کے دور خلافت میں

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

(سورہ الاعراف آیت ۱۵۸)

”اے پیغمبر تم لوگوں سے کہو اے افراد نسل انسانی (اے بنی نوع انسان)! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں وہ خدا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کے لئے ہے ۔“

(۱)

وہ آفتاب جو مشرق مکہ سے طلوع ہوا تھا ، جس کی کرنیں اب تک فاران کی چوٹیوں سے ٹکرارہی تھیں، مدینہ کے خط استواءپر پہنچا تو وہ آفتاب نیم روز تھا، ویسے بھی دعوت تبلیغ کے دس سال پورے ہوچکے تھے[1]اور آنے والے سال بھی دس ہی تھے۔

(۲)

اس کا دائرہ عمل نوع انسان کے کسی خاص گروہ [2] یا طبقہ تک تو کبھی محدود نہیں ہوا ، البتہ ظاہری وسائل و ذرائع کی بنیاد پر اس کا مخاطب اب تک اُمَّ الْقُـرٰی وَ مَنْ حَوْلَـہَا [3]ہتھا اور اب اس کا موقف وہ ہے جو وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً

وفات ہوئی ۔ رضی اللہ عنہ ۔ الاستیعاب

[4] طبقات ابن سعد ص ۱۶۱ ج ۱

[1] نبوت کے ابتدائی تین سال میں دعوت اور تبلیغ کا حکم عام نہیں تھا (تفصیل پہلے گزرچکی ہے)

[2] جیساکہ بنی اسرائیل کے انبیاءعلیہمسلم کا دائرہ عمل گروہ بنی اسرائیل تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیسلم، پھر حضرت عیسیٰ علیسلم نے بنی اسرائیل ہی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا : اِنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ اِلَیْکُمْ (سورہ صف آیت ۵)

لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا [4] کا مطلع اور مظہر ہے ۔

(۳)

سکندر اعظم جیسے فاتح عالم کی تاریخ کا پہلا باب یہ ہوگا کہ اس نے ایسی زبردست فوجی طاقت کس طرح فراہم کی جو فاتح عالم بن سکی ۔ اس کی فوج کی خصوصیات کیا تھیں اوروہ خود کس درجہ کا صاحب شجاعت اور صاحب حوصلہ تھا ۔ لیکن وہ فرد کامل جو پوری بنی نوع انسان کے لئے بشیر و نذیر بناکر بھیجا گیا تھا اس کی تاریخ و سیرت کا پہلا باب یہ ہونا چاہئے کہ وہ کیا اصول تھے، کیا طریقہ کار تھا اور کون سے اخلاق تھے جو وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیۡنَ [5]کی غرض وغایت کو پورا کرسکے ۔ (آنے والے صفحات میں انہیں سوالات کے جوابات ہیں)۔

---

[3] سورہ الانعام ۹۲ سورہ الشوریٰ ۷ ا، اُمَّ الْقُرٰی مکہ ہے مَنْ حَوْلَہَا جو اس کے اطراف میں ہیں ۔

[4] یعنی آپ کے مبعوث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پوری نوع انسان کو (وہ عرب ہوں یا عجم، کالے ہوں یا گورے) ان برکتوں کی بشارت سنا دو جو ایمان و عمل سے حاصل ہوتی ہیں اور انکار حق کے جو برے نیتجے ہوتے ہیں ان سے متنبہ اور آگاہ کردو(سورہ سبا آیت ۲۸)

[5] آپ کو یہ آخری پیغام دیکر نہیں بھیجا گیا مگر اس لئے کہ رحم کرنا تھا تمام جہانوں پر، پس آپ کی ذات سراسر رحمت کیونکہ جو پیغام آپ کے ذریعہ بھیجا گیا وہ سراسر رحمت ہے ۔ (الانبیاء ۱۱۷)

دعوت الی اللہ

داعی کے اوصاف وخصائل اور خصوصیات

(۱)

ارشاد ربانی ہے :

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۴۵ وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا ۴۶ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۴۷ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۴۸ (سورہ احزاب ۴۵،۴۸)

”اے نبی یہ حقیقت ہے کہ ہم نے آپ کو (ان خصوصیتوں کے ساتھ مبعوث کیا ہے کہ) آپ شاہد ہیں (ایمان و عمل کے بہتر نتائج اور ان کی برکتوں کی) بشارت دینے والے، (انکار حق کے برے نتیجوں سے) آگاہ اور متنبہ کرنے والے اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور (آپ ایک) چراغ ہیں نور پھیلانے والے (روشن کرنے والے) اور (اے نبی) اہل ایمان کو بشارت دیدے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بڑا فضل (اعزاز) ہے اور کہنا نہ مان منکروں اور منافقوں (دغابازوں) کا اور نظرانداز کردے ان کی ایذارسانی کو اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ کافی کارساز ہے۔“

(۲)

توریت[۱] میں آنحضرتﷺکے متعلق بشارت دی گئی تھی ۔

یایھاالنبی انا ارسلنٰک شاھداً و مبشراً ونذیراً، وحرزاً للامیینﷺ انت عبدی و رسولی وسمیتک المتوکل لیس بغظ ولا غلیظ ولا صخا ب فی الاسواق ولا یدفع بالسیئۃ السیئۃ ولٰکن یعفو ویغفر ولن یقبضہ اللہ حتیٰ یقیم بہ الملۃ العوجاءۃ بان یقولوا لا الہ الااللّٰہ و تفتح بھا اعین عمی و اٰذان صم وقلوبٌ غلف ۔ (بخاری شریف ص ۲۸۵)

” اے نبی ! یہ حقیقت ہے کہ ہم نے آپ کو ان خصوصیتوں کے ساتھ مبعوث کیا ہے کہ آپ شاہد ہیں (ایمان و عمل کے بہتر نتائج اور ان کی برکتوں کی) بشارت دینے والے، (انکار حق کے برے نتیجوں سے) آگاہ اور متنبہ کرنے والے پناہ اور محافظ ان کے جن کے یہاں پہلے کوئی نبی نہیں آیا تھا، تم میرے بندے ہو اور میرے رسول ہو میں نے تمہارا نام رکھا ہے المتوکل (اس متوکل کی شان یہ ہے) نہ بدخلق ہے، نہ سخت دل، نہ بازاروں میں شور و شغب کرنے والا، (یعنی نہ

---

[۱] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصرضی اللہ عنہ توریت کا مطالعہ کیا کرتے تھے ۔ حضرت عطار بن یسار رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا "توریت میں آنحضرت ﷺ کا ذکر ہے یا نہیں" اگر ہے تو آپ کے کیا اوصاف بیان کئے گئے ہیں؟" حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے توریت کے حوالے سے یہ اوصاف بیان فرمائے ۔ (بخاری ص ۲۸۵ باب کراہیۃ الصخب فی الاسواق کتاب الیبوع)

بازاری قسم کا غیرسنجیدہ)، برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتا بلکہ درگزر کرتا ہے اور بخش دیتا ہے ، اللہ تعالیٰ اس وقت تک (اس کی جان) قبض نہیں کریگا جب تک کہ اس کے ذریعہ اس ملت کو ٹھیک نہ کردے، جس کو ٹیڑھا کردیاگیا ہے۔ ٹھیک اس طرح کرے کہ وہ قائل ہوجائیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کلمہ سے ان کی اندھی آنکھیں، بہرے کان اور وہ دل جن پر غلاف چڑھے ہوئے ہیں کھول دیئے جائیں گے“

مندرجہ بالا قرآن پاک کی آیت اور توریت کی بشارت میں آپ کی چند خصوصیتیں بیان کی گئی ہیں ۔

(۱) شاھدا:

گواہی دینے والا ، شہادت[1]اور گواہی کا مدار مشاہدہ پر ہوتا ہے ، یعنی قیاس اور گمان و تخمینہ کی بنا پر گواہی نہیں دی جاتی، بلکہ گواہی اس چیز کی دی جاتی ہے جو خود اپنی آنکھوں دیکھی ہو یا اپنے کانوں سے سنی ہو ، یہی وجہ ہے کہ شاہد کو اس چیز کا یقین ہوتا ہے[2] جس کی وہ شہادت دے رہا ہے ، اگر یقین نہ ہو محض گمان اور قیاس ہوتو شہادت دینا صحیح نہیں ہے۔ پس یہ لفظ شاہد ایک فلسفی

---

[1] الشهادة قول صادر عن علم حصل بمشاهدة بصيرة اوبصر (المفردات فی غرائب القرآن للراغب رحمتہ اللہ)

[2] انما حقيقة الشهادة هوتيقن الشیءوتحققہ من شهادة الشیء ای حضورہ عینی شرح بخاری فی شرح کلمہ الاذان اشهدان لاالہ الا اللّٰہ ص ۶۲۵ ج۲)

اور نبی میں امتیاز پیدا کردینے والا ہے ۔

فلسفی کے پاس ایمان و یقین نہیں ہوتا ۔ فلسفی کا سرمایہ محض فکر ہوتا ہے❸(سوچ وچار، غورو خوص) یا تجربہ ۔❶ غوروخوص یا تجربہ سے جو نتیجہ برآمد ہو، اس پر ایسا یقین نہیں ہوتا کہ وہ قسم❷ کھاسکے ۔

نبی اس عالم کے فنا ہونے، قیامت اور محشر کے برپا ہونے پر قسم کھاسکتا ہے کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے❸ کہ اس عالم کا آخری انجام قیامت ہے ۔ فلسفی کے قیاس اور فکر میں اس عالم کا جو انجام بھی ہو اس پر قسم نہیں کھاسکتا

---

❸ ۳۔ یونان اور ہندوستان کے فلاسفہ قدیم کے پاس محض فکر تھا۔ اسی فکر سے انہوں نے آسمانوں کی تحقیق کی ان میں تارے گڑے ہوئے سمجھے اور زمین کو ساکن اور آسمان کو متحرک مانا وغیرہ۔ آج ان سب باتوں کی تردید کی جارہی ہے حالانکہ یہی باتیں تھیں جن پر ایمان لانا فلاسفہ کے نزدیک ضروری تھا ۔

❶ ماہرین سائنس کے پاس صرف تجربہ ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے ۔ بقول شاعر :

اے برادر بے نہایت درگہیست ہرچہ بروئے میرسی بروے ماست

❷ پس سائنس کی تمام تحقیقات ظنیات ہیں، خود ماہرین سائنس کو اعتراف ہوتا ہے کہ ان کی آج کی تحقیقات حرف آخر نہیں ہیں۔ ممکن ہے کوئی نیا انکشاف اس تمام تحقیق کو فریب نظر قرار دیدے ۔ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنۡ ہُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ (سورہ الانعام ۱۱۶ و سورہ یونس آیت ۶۶)

❸ اس کا مداروحی پر ہوتا ہے یعنی اعلام خداوندی پر جو سراسر یقین ہوتا ہے کیونکہ خالق سے بڑھ کر اپنی مخلوق کا حال کسی کو نہیں معلوم ہوسکتا ۔ اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ ؕ وَ ہُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ (سورہ الملک آیت ۱۴)

کیونکہ اس کے پاس یقین کی مضبوطی اور ایمان کی روشنی نہیں ہے ۔ اس کے پاس ظن، گمان ہے، تخمینہ اور اندازے سے وہ یہی کہے گا کہ میری تحقیق یہ ہے ممکن ہے غلط ہو۔ چونکہ فلسفی نوریقین سے محروم ہوتا ہے تو وہ اپنے نظریے کی دعوت بھی نہیں دیتا اور خود اس کا حوصلہ بھی پست رہتا ہے ۔ نہ اس میں ذوق ایثار ہوتا ہے نہ شوق فدائیت، نہ جذبہ قربانی ۔

اس کے برخلاف نبی جو کچھ کہتا ہے وہ شرح صدر [4] سے کہتا ہے، کیونکہ اس کے پاس یقین کا نور اور ایمان کی روشنی ہوتی ہے ۔ وہ علم اور انکشاف کے اس دید بان اور مینارہ پر ہوتا ہے، جہاں سے وہ غنیم کی فوجوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھتا ہے ۔ جبکہ اہل شہر کو غنیم کا تصور بھی نہیں ہوتا اور فلسفی نے اگر کسی طرح اندازہ لگالیا ہو کہ دشمن کی فوجیں قریب آگئی ہیں اور اس اندازہ کے عقلی دلائل بھی اس کے

---

[4] اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی (النجم آیت ۲۳) وہ (فلسفی یا مشرکین) اپنے ظن کی اتباع کرتے ہیں اور ان خیالات کی جو ان کے نفس پیدا کرتے ہیں اور ان کو عقیدت کی حیثیت دیتے ہیں۔ نیزارشاد ہے : وَ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِیۡ مِنَ الۡحَقِّ شَیۡئًا (ایضاً آیت ۲۸)"وہ (فلسفی اور ماہرین سائنس اپنے فکر یا اپنے تجزیے کی بنا پر، اور مشرکین اپنے دعوؤں کی چاہ اور ان عقائد اور خیالات کے بموجب جو خاندانوں میں پشت ہاپشت سے چلے آرہے ہیں اور دلوں میں رچ گئے ہیں) ظن کی اتباع اور پیروی کرتے ہیں اور جہاں حق کی غیرفانی سچائی اور اصل حقیقت کی ضرورت ہو وہاں یہ وہم وگمان کام نہیں آتا ۔"

پاس ہوں تب بھی وہ اپنے اندر وہ جذبہ نہیں پاتا جو اس کو قربانی پر آمادہ کرے۔ نہ اس کے دل میں وہ دہشت ہوتی ہے جو اس کو بے چین اور مضطرب کردے ۔ کیونکہ اس کا یہ انداز تذبذب کی دلدل سے پاک اور آزاد نہیں ہوتا ۔

جو شخص اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہے کہ آگ کی خندق اس کے سامنے ہے اور وہ اس کے کنارے اس طرح کھڑا ہے کہ آگے قدم بڑھاتا ہے تو وہ ٹھیک خندق میں جاتا ہے۔ وہ صرف اپنے قدم کو آگے بڑھنے سے نہیں روکے گا ۔ بلکہ وہ پوری قوت صرف کردے گا کہ وہ اپنی جگہ جمارہے ۔ اس کا قدم آگے نہ بڑھ سکے اور جس قوت سے وہ اپنے قدم کو آگے بڑھنے سے روکے گا اتنی ہی قوت سے وہ دوسروں سے بھی اصرار کرے گا کہ اس طرف نہ بڑھیں۔ اگر اس کو مزاحمت کرنی پڑے تو وہ مزاحمت میں بھی کمی نہیں کرے گا ۔ یہاں تک کہ اگر اس مزاحمت میں اس کی جان بھی جاتی رہے تو وہ اس کو شہادت سمجھے گا کہ اس نے بے شمار مخلوق کے ساتھ خیرخواہی کی اور اپنی ایک جان دیکر بہت سی جانیں بچادیں ۔

یہ جذبہ، یہ جوش اور ولولہ فلسفی میں نہیں ہوتا۔ جبکہ نبی ہرآن اور ہر لمحہ اس جذبہ سے سرشار رہتا ہے۔ لفظ شاہد نے جس طرح محمد ﷺ کے یقین کامل [1] اور ایمان مکمل کی

---

[1] یہی یقین کامل اس شہادت کی بنیاد ہوگا جو انبیاء علیمسلم اپنی اپنی امتوں کے حق میں نافرمان قوموں کے برخلاف اور محمد رسول اللہ ﷺ جملہ انبیاء علیمسلم کے حق میں جملہ اقوام عالم کے برخلاف قیامت کے روز

خبر دی اس نے یہ بھی بتادیا کہ داعی کے لئے لازم ہے کہ اس کے پاس وثوق کامل اور اعتماد ہو اور وہ متاع یقین کا سرمایہ دار ہو ۔

(۲) مبشراً :

بشارت دینے والا ۔ لفظ بشارت بشرہ سے ماخوذ ہے۔ کھال کے بیرونی اور ظاہری حصہ کو بشرہ کہتے ہیں۔ غیر معمولی خبر کا اثر بشرہ پر بھی پڑتا ہے ۔ خوشی کی خبر سے بشرہ، کھل جاتا ہے اور رنج کی خبر سے ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں ۔ بسااوقات بشرہ کارنگ زرد ہوجاتا ہے ۔

(۳) نذیراً ❷

مستقبل کے خطرات سے آگاہ کرنے والا۔ یہ دو لفظ دعوت کی اہمیت وعظمت کی طرف بھی اشارہ کررہے ہیں۔ یعنی اس کو مان لینا غیرمعمولی خیروبرکت کا ذریعہ ہوگا (جوبشارت عظیم ہے اہل ایمان کے لئے) اور انکار کرنا ایسا عمل ہوگا جس کا نتیجہ تباہ کن اور ہلاکت انگیز ہوگا ۔ (یہ تنبیہ اور انذارو اعلام ہے اہل کفر کے لئے)

(۴) داعیاً الیٰ اللّٰہ :

اللہ کی طرف بلانے والا ۔ خدا کانام لینے والے

دینگے ۔ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۔ (سورہ ۴ نساءآیت ۴۰)

❷ النذر الانذار ۔ اخبار فیہ تخویف کما ان التبشیر اخبار فیہ سرور (المفردات فی غریب القرآن)

بہت ہیں۔ اسی طرح خدا کا نام لیکر تبلیغ کرنے والے بھی بہت ہیں ۔

مگر کیا وہ واقعی خدا کی طرف بلاتے ہیں یا اپنے ذاتی نظریات وخیالات ک منشاءقدرت اور حکم خدا سمجھے ہوئے ہیں اور ان کی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں۔ یا یہ صورت ہے کہ اپنی اغراض کی خاطر دعوت و تبلیغ کا بازار لگا رکھا ہے اور دین کے نام پر دنیا کمارہے ہیں ۔ داعیاً الیٰ اللہ کے بعد باذنہ کے لفظ نے وضاحت کردی کہ آپ جو پیغام یا تعلیم پیش کرتے ہیں وہ منجانب اللہ ہے اور اسکے حکم سے ہے۔ آپ کے ذاتی نظریات نہیں ہیں ۔

(۵) باذنہ

کسی مملکت کا پیغام مملکت کی طرف سے نہیں مانا جاتا جب تک پیغام دینے والا مجاز نہ ہو ۔ سفراءپہلے سند سفارت پیش کرتے ہیں اس کے بعد ان کو اجازت ہوتی ہے کہ اس مملکت میں سفارتی فرائض انجام دے سکیں۔ باذنہ کے لفظ نے ایک سند عطافرمادی کہ آپ کو اللہ کی طرف سے مجاز کی حیثیت حاصل ہے گویا اس فرض اور اس خدمت کےلئے آپ لائسنس دار ہیں ۔

(۶) سراجاً منیراً:

چراغ، روشنی بخشنے والا کہتے ہیں کہ آفتاب سراسر آگ ہے اور چاند اگرچہ روشن ہے مگر اس کا نور اپنا نہیں ۔ وہ آفتاب کی عکاسی

کرتا ہے لیکن چراغ کی چند خصوصیتیں ایسی ہیں جو آفتاب میں ہیں نہ چاند میں ۔

سب سے پہلی خصوصیت وہ سو ز وگداز ہے جو نہ آفتاب کو میسر ہے نہ چاند کو۔ دوسری خصوصیت یہ کہ چراغ شریک محفل ہوتا ہے جب کہ آفتاب اور چاند بزم انسان سے لاکھوں میل دور ہیں ۔

تیسری خصوصیت فیض رسانی اور تکمیل تربیت ہے۔ آپ چراغ کی ٹمٹماتی بتی سے بے شمار چراغ جلاسکتے ہیں اور قندیل روشن کرسکتے ہیں، جبکہ آفتاب جہاں تاب نے آج تک کسی دوسرے کو آفتاب نہیں بنایا اورنہ چاند اپنے وجود سے کوئی دوسرا چاند بناسکا ۔

(۴) چراغ کی حقیقت مٹی یا روئی کا وہ گالا ہے۔ جس سے اس کی بتی بنائی جاتی ہے۔ مٹی میں آگ نہیں لگتی روئی آگ پکڑتی ہے، مگر شعلہ نہیں بناسکتی۔ پس چراغ کی ہستی اور اس کی روشنی کا سرمایہ وہ تیل ہے جو چراغ روشن کرنے والا اس کے ظرف میں بھردیتا ہے ۔

یہ ہیں چراغ کی خصوصیتیں ۔ ان خصوصیتوں کے ملاحظہ کے بعد آیت پر نظرثانی فرمایئے۔ آیت میں داعیاً الی اللّٰہ کے بعد سراجاً منیراً فرماکر اس حقیقت کو طشت ازبام فرمادیا کہ

(الف) محمد رسول اللہ ﷺکی دعوت کا سرمایہ وحی الٰہی کا وہ روغن ہے جو اس کے تن بدن سے پیوست ہے بلکہ وہ روغن کہ داعی کا تن بدن اس

کی تـراوٹ میں غـرق ہے ۔ اس کـا نـور تمـام تـر اسی کا فیض ہے ۔[1]

(ب) داعی کی دعــوت شــاعرانہ تفــریح نہیں بلکہ شعلہ ہے اس سوزش[2] کا جو اس کے بدن کـو پگھلا رہی ہے ۔ یہ سوزش، ہمدردی، نـوع انسـان کی سوزش ہے۔ انسان اپنے اعمـال کے نتـائج سـے غافـل ہے، یہ نـبی ان کـو دیکھ رہا ہے اور پگھـل رہا ہے ۔[3]

(ج) اہل محفـل مشـغول ہیں مگـر چـراغ اپنـا کام برابر کررہا ہے ۔[4]

(د) سورج اور چاند روشـنی بخشـتے ہیں مگـر ایثـــار اور قربـــانی کـــا ســـبق نہیں دیـــتے ۔ یہ خصوصیت چـراغ کی ہے کہ اس کی بـتی جـل کـر فنا ہورہی ہے اور ہر ایک داعی کـو داعیـانہ جہاد میں فنا ہونے کـا سـبق دے رہی ہے ۔ یعـنی داعی کی دعوت اس وقت نور بخش ہوسـکتی ہے جبکہ خود داعی سوزوگداز بن جائے۔ اپـنے تن بـدن کـو مقاصد دعوت کے لئے قربـان کـردے۔ اور اس ایثـار

---

[1] وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ﴿۴﴾ (النجم۔۴،۵) وقال رسول اللہ ﷺ انما انا قاسم واللہ یعطی

[2] لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفۡسَکَ اَلَّا یَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۳﴾ (شعرا ء۔۳)

[3] حضرت ابوبکر ؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ وقت سے پہلے بــوڑھے ہوگــئے۔ فرمایــا : مجھے ســورہ ھــوداور اس جیسی دوسری سورتوں نے بوڑھا کردیا ۔ (شمائل ترمــذی ص ۴) ان ســورتوں میں ان ناعــاقبت انــدیش انســانوں کے نتــائج بدبیان کئے گـئے ہیں جنہوں نے انبیـاءکی دعـوت سـے گریـز کرکے کفر کی راہ اختیار کی۔ ان نتائج کے صدمے نے آپ کـو بوڑھا بنادیا ۔

[4] یٰۤاَیُّہَا الرَّسُوۡلُ بَلِّغۡ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ وَ اِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا بَلَّغۡتَ رِسَالَتَہٗ (مائدہ۔ ۱۰)

اور قربانی کو اپنے وجود کا مقصد اعظم اور اپنے ظہور کی آخری غرض وغایت بنالے (حقیقت یہ ہے کہ محمدﷺکی پوری سیرت اسی لفظ سراجاً منیراً میں سموئی ہوئی ہے۔ آپ سیرت مقدسہ کا جتنا گہرا مطالعہ کریں گے آپ کا ضمیر اس کی شہادت دیتا رہے گا ۔

(۲) ارشاد ربانی ہے :

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (سورہ احزاب،۴۰)

ترجمہ : "نہیں ہیں محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبین ہیں[5] (سب کے ختم پر ہیں)"

یعنی بقول حضرت شاہ عبدالقادر صاحبرحمتاللہعلیہ اللہ کے رسول ہیں، اس حساب سے سب آپ کے بیٹے ہیں ۔ (موضح القرآن) اگر آپ کے بعد کوئی اور نبی آتا تو نوع انسان کا یہ تعلق اس سے ہوجاتا، مگر چونکہ آپ خاتم الانبیاءہیں،

---

[5] خاتم کے معنی ہیں مہر، اسی لئے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب ؒ نے ترجمہ کیا ہے : مرسب نبیوں پر یعنی جس طرح مہر آخر میں ہوتی ہے اور مہرلگادینے کے معنیٰ ہوتے ہیں ختم کردینا اور اس سلسلہ کو بند کردینا ،ایسے ہی آپ کے بعد نبی بنانے کا سلسلہ بند کردیاگیا ۔ کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا ۔ باقی عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہوگی تو آپ کی نبوت نئی نہیں ہوگی بلکہ آپ کی نبوت وہی ہوگی جو آپ کو آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے تقریباً چھ سوسال پہلے عطا ہوئی تھی۔ آپ کی نبوت وہی ہے۔ البتہ دور محمدی میں آپ تشریف لائیں گے تو شریعت محمدیہ پر عمل کریں گے کیونکہ اس دور کا تقاضا یہی ہے ۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین ۔

آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آنے والا، تو آپ کا یہ تعلق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ اسی سورہ احزاب میں پہلے یہ ارشاد ہوا ہے :

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَ اَزْوَاجُہٗ اُمَّہٰتُہُمْ

(ع ا، آیت ۶)

ترجمہ : نبی سے لگاؤ ہے، ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اس کی عورتیں ان کی (مومنین کی) مائیں ہیں ۔

تشریح : آیت کا اشارہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہﷺ کی شفقت باپ سے بھی زیادہ ہے۔ اسی لئے جب ازواج مطہرات کو امت کی مائیں قرار دیا گیا تو یہ نہیں فرمایا گیا کہ آپ امت کے باپ ہیں کیونکہ باپ کی شفقت رشتہ پدری میں محدود ہوتی ہے اور آنحضرتﷺ کی شفقت ان حدود سے بہت بالا ہے۔ ہمارے الفاظ اس کی کوئی حد نہیں بیان کرسکتے۔ البتہ عمل سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ مثلاً اس آیت کے نزول کے بعد آنحضرتﷺ نے اعلان فرمادیا کہ اگر کوئی مفلس مسلمان وفات پاجائے اور ترکہ کے بجائے اس کے ذمہ دار قرض ہو اور اس کے لاوارث بچے ہوں جن کا کوئی پرسان نہ ہو تو اس کا قرض آنحضرتﷺ ادا فرمائیں گے اور اس کے بچوں کی ذمہ داری بھی آنحضرتﷺ کے اوپر ہوگی ۔ آپ ان کے مربی بھی ہونگے اور متکفل بھی ہوں گے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان ترکہ چھوڑ کر وفات پاتا ہے تو اس کا ترکہ اس کے وارثوں پر تقسیم ہوگا ۔ (رشتہ کا باپ ترکہ میں حصہ دار ہوتا ہے) مگر

آنحضرتﷺ نے ترکے میں سے کوئی حصہ نہیں لیا ۔ البتہ لاوارث بچوں کی اور مرنے والے کے قرض کی ذمہ داری لے لی ۔ (بخاری شریف وغیرہ) اس لئے کہ آپ کی شفقت، شفقت پدری کی حدود سے آگے بڑھی ہوئی تھی ۔

ہدایات

وہ نبی جس کو ان خصوصیات کے ساتھ مبعوث کیاگیا تھا، اس آیت کے دوسرے حصہ میں اس کو چند ہدایات فرمائی گئی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے ۔

(۱) پہلی ہدایت :

اہل ایمان کو بشارت دیدیجئے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے بہت بڑا فضل (اعزاز) ہے ۔

تشریح : اس ہدایت میں (الف) جس طرح طریقہ دعوت و تبلیغ کی تلقین ہے کہ داعی الی اللہ کو تخویف و ترہیب (ڈرانے، دھمکانے اور مرعوب کرنے) کے بجائے ترغیب اور تشویش کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے یعنی خدا کے قہروغضب کے تذکرے سے پہلے ان نعمتوں اور ان فوائد کو ذہن نشین کرانا چاہئے جو دعوت کے قبول کرنے پر صاحب ایمان کو میسر آئیں گے ۔

(ب) اور جس طرح حوصلہ افزائی ہے ان اہل ایمان کی جو دعوت قبول کررہے ہیں ۔

(ج) اسی طرح پیشن گوئی ہے ان امتحانات کی جودعوت قبول کرنے والوں کے ہوا کرتے ہیں

جن کی بنا پر اللہ کے یہاں ان کا اعزاز[1] ہوتا ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۲۱۴ میں فرمایاگیا ہے۔[2]

”کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ (محض ایمان کا زبانی دعویٰ کرکے) تم جنت میں داخل ہوجاؤ گے، حالانکہ ابھی تو تمہیں وہ آزمائشیں ہی نہیں آئی ہیں جو تم سے پہلے لوگوں کو پیش آچکی ہیں۔ ہرطرح کی سختیاں انہیں بھگتنی پڑیں ، ہولناک مصائب سے ان کو جھنجھوڑا گیا، یہاں تک کہ اللہ کے رسول اور جو لوگ ایمان لائے تھے پکار اٹھے، اے نصرت خداوندی تیرا وقت کب آئے گا۔(تب اچانک پردہ غیب چاک ہوا اور خداوندعالم کی نصرت یہ کہتی ہوئی نمودار ہوگئی) ہاں گھبراؤ نہیں خدا کی نصرت تم سے دور نہیں ہے ۔

اس عام ضابطے قدرت کے علاوہ خاص اس امت کو بھی آگاہ کردیاگیا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔ سورہ بقرہ کی آیات[3] ۱۵۴ تا ۱۵۷ جن کا

---

[1] یعنی جب فضل واعزاز کی بشارت ہے تو لامحالہ ان امتحانات کی بھی پیشن گوئی ہے جن میں کامیاب ہونے پر فضل و اعزاز کا تمغہ ملتا ہے ۔

[2] اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (سورہ بقرہ ۲۱۴)

[3] وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَىْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۱۵۵ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۱۵۶ ؕ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (سورہ بقرہ ۱۵۵ تا ۱۵۷)

ترجمہ یہ ہے :

”یاد رکھو یہ ضرور ہونا ہے کہ ہم تمہارا امتحان لیں۔ خطرات کا خوف، بھوک کی تکلیف، مال و جان کا نقصان، پیداوار کی تباہی، وہ آزمائشیں ہیں جو تمہیں ضرور پیش آئیں گی ۔ پھر جو لوگ صبر کرنے والے ہیں انہیں (فتح و کامرانی) کی بشارت دے دو ۔ یہ وہ لوگ ہیں جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آتی ہے (تو بے قرار اور بدحواس ہونے کے بجائے ذکر الٰہی سے اپنی روح کو تقویت پہنچاتے ہیں اور ان کي زبان حال کی صدا یہ ہوتی ہے کہ) انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ۔ ہم اللہ کے ہیں (ہماری زندگی اور موت، رنج و غم، سود و زیان جو کچھ بھی ہے سب اللہ کے لئے ہے اور ہم سب کو بالآخر مرنا اور) اس کی طرف لوٹنا ہے۔ سو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کے الطاف و کرم ہیں جن پر ان کے رب کی رحمت اترتی ہے اور یہی ہیں جو اپنے مقصد میں کامیاب ہیں ۔ (سورہ بقرہ آیت ۱۵۴ تا ۱۵۷)

(۲) دوسری ہدایت :

اور کہنا نہ مان منکروں اور منافقوں کا ۔ سورہ الدھر کی آیت ۲۴ میں یہ ارشاد ہے :

“آپ اپنے پروردگار کے حکم پر مضبوطی سے قائم رہیئے ۔”

ان (دشمنان دین) میں سے کسی گنہگار اور ناشکرے کا کہنا نہ مانئے ۔

بیشک داعی الی اللہ، اللہ کے حکم پر مضبوطی سے قائم رہے گا ۔ وہ غیراللہ کے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا۔ ان سے قطع تعلق کریگا ۔ مگر یہ قطع تعلق خاص رکھ رکھاؤ کے ساتھ ہوگا ۔ دل آزاری کے ساتھ نہیں ہوگا، کیونکہ جس رب کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہے اس کا حکم یہ بھی ہے کہ

"یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان پر صبر کرو، اور خوبصورتی کے ساتھ ان سے الگ ہوجاؤ"
(سورہ ۷۳ مزمل، آیت ۱۰)

(۳) تیسری ہدایت :

وَدَعْ اَذٰىهُمْ (احزاب۔۴۸) نظرانداز کردے ان کی ایذا رسانی کو یعنی معاف کرو، درگزر کرو، صبر و ضبط اور تحمل سے کام لو، داعی الی اللہ کی یہی شان ہے اور یہی اس کا فرض ہے ۔ چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۵ میں فرمایا گیا ہے ۔[۱]

---

[۱] **حضرت اسامہ ضی اللہ عنہ کی ایک طویل روایت جس کو بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں ص ۶۵۶ اور باب کنیۃ المشرک میں ص ۹۱۶ پر تفصیل سے نقل کیا ہے۔ اس کے آخری الفاظ سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ حکم اس وقت تک تھا جب تک جہاد کی اجازت نہیں ہوئی تھی اس کے بعد یہ حکم نہیں رہا۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ دعوت اور تبلیغ کے سلسلہ میں یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے ۔ چنانچہ سورہ توبہ میں جہاں یہ حکم ہے فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (آیت۵) "جب حرمت کے مہینے گذرجائیں تو جنگ کی حالت قائم ہوجائے گی اس وقت مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو" اس آیت کے بعد**

”یاد رکھو ایسا ہونا ضروری ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ، یہ بھی ضرور ہونا چاہیے کہ اہل کتاب اور مشرکین عرب سے تمہیں دکھ پہنچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں، اگر تم نے صبر کیا (یعنی مصیبتوں میں ثابت قدم رہے) اور تقویٰ کا طریقہ اختیار کیا، (اللہ تعالیٰ کے احکام کی پوری تعمیل کی اور نافرمانی سے پوری احتیاط برتی) تو بلاشبہ یہ ہونگے بہت (بڑے حوصلہ) کے کام ہے“

(۴) چوتھی ہدایت :

اللہ پر بھروسہ کرے یعنی جملہ ذرائع استعمال کرو ۔ ذرائع کا مہیا کرنا بھی فرض ہے۔

اگلی آیت یہ ہے ۔ وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ آیت ۶ یعنی “اے نبی اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی آئے اور تم سے امان مانگے تو اسے ضرور امان دو یہاں تک کہ وہ (اچھی طرح) اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے امن کے ساتھ اس کے ٹھکانے پر پہنچادو (اسلام قبول کرے یا نہ کرے)”

دراصل حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا تعلق پورے واقعہ سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب تک جہاد کی اجازت نہیں ہوئی تھی اور صرف صبر ہی کی ہدایت تھی تو اس وقت تک عبداللہ بن ابی بن سلول اور ان کی پارٹی کے آدمی کھلے بندوں آنحضرت ﷺ کی مخالفت کیا کرتے تھے، جو بسااوقات توہین آمیز ہوتی تھی اور جب جہاد کی اجازت ہوگئی اور غزوہ بدر میں مسلمانوں کو فتح بھی حاصل ہوگئی تو ان لوگوں نے ظاہرداری کے لئے اسلام قبول کرلیا اور کھلم کھلا مخالفت کے بجائے درپردہ سازشیں شروع کردیں۔

مگر بھروسہ ذرائع پر نہ ہو، بھروسہ خدا پر ہو کہ ہدایت بخشنا اس کا کام ہے، وہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے ۔

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ

(سورہ القصص آیت ۵۶)

”تم جس کو چاہو راہ راست پر نہیں لگا سکتے، اللہ جس کو چاہے راہ راست پر لگادیتا ہے اور ہدایت پانے والوں کا پورا علم اسی کو ہے ۔“

سیرۃ مبارکہ کا اہم اور اصل جز دعوت ہے ۔ داعی کی حیثیت سے آپ کے اوصاف و خصائل سطور بالا میں بیان کئے گئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر دعوت کے آداب اور طریقہ کار بھی بیان کردیا جائے ۔ یہ بھی سیرت مبارکہ کا سب سے مقدم باب ہے۔ آئندہ سطور میں آداب اور طریقہ کار بیان کیاجارہا ہے جو وحی الٰہی نے مقرر فرمایا ہے ۔

آداب دعوت و طریقہ کار

(۱)

(الف) ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١٢٥﴾ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿١٢٦﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِنَّ اللَّهَ

مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ ﴿۱۲۸﴾

(النحل۔ ۱۲۵ تا ۱۲۸)

"اے نبی اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ اس طرح کہ حکمت اور دانشمندی کی باتیں بیان کرو اور اچھے طریقے پر پند اور نصیحت کرو ، اور مخالفوں سے بحث و نزاع کرو تو (وہ بھی) ایسے طریقے پر کہ وہی طریقہ سب سے بہتر (اور زیادہ سے زیادہ حسن و خوبی) کا طریقہ ہو ، تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ کون راہ راست پر ہے اور مخالفوںکی سختی کے جواب میں اگر سختی کرو تو چاہئے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو جیسی تمہاری ساتھ کی گئی اور اگر تم نے صبر کیا یعنی جھیل گئے اور سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لئے صبر ہی بہتر ہے۔ اے پیغمبر صبر کر اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے۔ اور ان لوگوں کے حال پر غم نہ کھا، نہ ہی ان کی مخالفانہ تدبیروں سے دل تنگ ہو۔ یقیناً اللہ انہیں کا ساتھی ہے جو متقی ہیں اور نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں ۔"

(ب) خُذِ الۡعَفۡوَ وَاۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۱۹۹﴾ وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۰۰﴾ **(سورہ اعراف،۱۹۹، ۲۰۰)**

"درگزر اور معافی کا طریقہ اختیار کر، نیک کام کو کہے اور کنارہ کر جاہلوں (نادانوں) سے اور اگر ابھارے تجھ کو شیطان کی چھیڑ (یعنی اگر ایسا ہوکہ کسی بات پر جھونجل آجائے جو یقیناً شیطان کی حرکت ہوگی، داعی الی اللہ کو جھونجل نہ آنی چاہئے) تو فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہوجاؤ، اس کی پناہ پکڑو (جھونجل کو ختم کردو) بلاشبہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔" (سورہ ۱۷ الاعراف، آیت ۱۹۹)

تشریح : ذہنی صلاحیت ہر ایک کی یکساں نہیں ہوتی، کوئی صاحب علم و دانش ہوتا ہے کوئی سادہ طبیعت اور کوئی کھود کرید اور بحث و مباحثہ کا شوقین ہوتا ہے۔ ان آیات کا اشارہ یہ ہے کہ داعی الی اللہ کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ مخاطب کی ذہنیت کو پرکھے، اگر وہ صاحب علم و دانش ہے تو اس کو عالمانہ اور دانش مندانہ دلائل (حکمت) سے سمجھائے، عوام کے لئے ہمدردانہ نصیحت اور وعظ وپند سے کام لے۔ اور بحث کے شوقین سے بحث بھی کرسکتا ہے مگر اس طرح کہ پہلے مخاطب کو سمجھے پھر وہ انداز اختیار کرے جو حق بات کے سمجھنے اور سمجھانے کا ہوتا ہے، جس سے مخاطب میں یقین پیدا ہو، اس کے دل کی گرہ کھلے، ایسی کوئی بات نہ ہو جس سے اس کا دل دکھے۔ اپنی حق پرستی کا زعم اور گھمنڈ اور اس کی باطل پرستی کی تحقیر و تذلیل کا انداز ہرگز نہ ہو۔

دل پر خوف خدا غالب رہے کہ دلوں کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے ۔ گمراہ اور ہدایت یافتہ کو وہی خوب پہچانتا ہے۔ اپنے انجام کی خبر کسی کو نہیں۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کس کا انجام کیا ہوگا ۔ داعی الی اللہ کے لئے یہ بھی درست نہیں کہ وہ مخالف کی مخالفانہ حرکتوں سے دل تنگ ہو۔ اس کے مزاج میں جھونجل بھی نہ آنی چاہئے۔ اگر مخالف کی طرف سے زیادتی ہوئی ہے تو اجازت ہے کہ اس کا جواب دے سکتے ہو مگر نپاتلا کہ اس میں داعی اور مبلغ کی طرف سے کوئی زیادتی نہ ہو مگر صرف یہ اجازت ہے ۔ داعی کی شان یہ نہیں کہ وہ بدلہ لے ۔ اس کاکام ہے عفو و درگزر اور ضبط و تحمل، صبر، اس کا یہ صبر اللہ کے لئے ہے اور اللہ کی مدد سے ہے ۔ لہذا داعی کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ اس کے ظرف میں وسعت، نگاہ میں بلندی عطا فرما کر اس کی مدد کرے۔ اس کو یقین رکھنا چاہئے کہ اگر وہ احتیاط اور تقویٰ سے کام لے رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہے، اس کا حامی اور مدد گار ہے۔

(۲)

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ (آل عمران۔ ۱۸۶)

“ایسا ضرور ہونا ہے کہ تم جان و مال کی آزمائشوں میں ڈالے جاؤ ۔ یہ بھی ضرور ہونا

ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے تمہیں دکھ پہنچانے والی باتیں بہت کچھ سننی پڑیں گی ۔ اگر تم صبر (ضبط و تحمل) سے کام لو اور پرہیز گاری کرو (تقوے سے کام لو) احکام حق کی نافرمانی سے بچو تو یہ ہیں ہمت کے کام۔“

داعی کے اوصاف و خصائل کے سلسلہ میں تیسری ہدایت گزر چکی ہے کہ وَدَعْ اَذٰىهُمْ ۔ “نظرانداز کردے ان کی ایذا رسانی کو۔”

سوال یہ ہوسکتا ہے کہ نظرانداز کب تک کرتارہے، اس کا جواب اس آیت سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ کب تک کی کوئی حد ہی نہیں ہے ۔

چاہتے ہو کہ حق کا بول بالا ہوتو یہ تمنا آسان نہیں ہے۔ باطل تمہارے مقابلے میں ضرور آئے گا ۔ پوری قوت سے آئے گا، اور آتا رہے گا جب تک دنیا میں نور و ظلمت، اندھیری اور اجالا ہے، حق و باطل کی جنگ بھی جاری ہے اور پیروان دعوت حق کے لئے یہ امتحانات بھی باقی ہیں ۔ داعی الی اللہ کی کامیابی یہی ہے کہ ان امتحانات میں وہ کامیاب ہو ۔ ہدایت دینا اور بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لانا خدا کا کام ہے ۔ السعی منی والا تمام من اللّٰہ ۔

دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو دعوت اور طریقہ دعوت

اہل کتاب :

قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۶۴)

"(اے نبی) تم اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے کہدو: اے اہل کتاب (اختلاف و نزاع کی ساری باتیں چھوڑدو) اس بات (اصول) کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے لئے یکساں طور پر تسلیم شدہ ہے یعنی یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں کسی کی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں ، ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ ایسا برتاؤ نہ کرے گویا خدا کو چھوڑ کر اسے اپنا پروردگار بنالیا ہے۔"

وجہ اختلاف :

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۗ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۶۷﴾ وَ اِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ (سورہ ۲۲ الحج رکوع ۹)

"اے نبی ہم نے ہر امت کے لئے عبادت کا ایک طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے ، جس پر وہ چل رہی ہے۔ بس لوگوں کو اس معاملہ میں(یعنی اسلام کے طور طریق میں) تجھ سے جھگڑنے کی کوئی وجہ نہیں، تو اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دعوت دے (کہ اصل دین یہی ہے) یقیناً تو ہدایت کے سیدھے راستے پر چل رہا ہے ، اگر (اس پر بھی) لوگ تجھ سے جھگڑا کریں تو کہدے کہ

اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ تم جن باتوں میں آپس میں اختلاف کررہے ہو، قیامت کے دن وہ تمہارے درمیان فیصلہ کرکے حقیقت حال آشکارا کردیگا۔"

تشریح : ان آیتوں کا اشارہ یہ ہے کہ دعوت الی اللہ کا اسلوب اور طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ

(الف) ان باتوں کو مقدم رکھاجائے جن کو مخاطب بھی مانتے ہیں ۔ مثلاً یہ بات کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ ہونی چاہئے غیراللہ کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا چاہئے کہ معلوم ہوکہ خدا کو چھوڑ کر ان کو معبود مان لیا ہے ۔ اس کو اہل کتاب بھی مانتے ہیں لہذا پہلے اسی پر زور دیا جائے ۔

(ب) یہ سمجھایا جائے کہ اللہ ایک ہے تو اس کا دین بھی ایک ہی ہے، اس کی بنیادی باتیں بھی ایک ہی ہیں، عبادت کا حکم ہمیشہ رہا، اختلاف اس کے طور و طریق میں ہوا ۔کیونکہ ہر ایک عہد اور ہر ایک دور اور ہر ایک قوم کی حالت یکساں نہیں تھی۔ جس کی جیسی حالت اور جیسی صلاحیت اور قابلیت تھی اس کے مطابق اس کو طور طریق دیاگیا جو ہر دور میں ترقی کرتا اور آگے بڑھتا رہا ۔ بس یہ اختلاف فطری اور قدرتی تھا جو واقع ہوا ۔

(ج) دعوت دینے والے کے دل میں دوسرے مذہب کے طریقوں کا یہ احترام ہو کہ وہ سمجھے کہ بنیادی طور پر وہ من جانب اللہ تھے تو اس سے اس کے انداز دعوت میں لامحالہ لچک ہوگی،

دوسری طرف جن کو دعوت دی جارہی ہے ان کو بھی اس دعوت سے وحشت نہ ہوگی کیونکہ وہ سمجھے گا کہ یہ دعوت پہلی بنیادوں کو اکھاڑ نہیں رہی بلکہ ان کو اپنی جگہ تسلیم کرتے ہوئے تعمیر میں اضافہ کررہی ہے ۔

(د) ان حقیقتوں کو ذہن نشین کرانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ مخاطب یہ اثر لیں گے کہ جب سابق امتوں میں ان کی صلاحیتوں کے بموجب عبادت کے قواعد و قوانین میں فرق ہوتا رہا ہے تو ترقی یافتہ حالات کے مطابق اگر کوئی طریقہ معین کیا گیا، جو مکمل اور آخری طریقہ ہے، تو وہ بھی قابل تسلیم ہونا چاہئے اس سے وحشت نہ کرنی چاہیئے ۔

(ہ) پس تقاضا انصاف یہ ہے کہ سابق امتوں کے لوگ (اہل کتاب) اس دعوت کو اختلاف اور نزاع کا نشانہ نہ بنائیں بلکہ اس کو پرکھیں، حقیقت پسندی سے کام لیں اور صداقت کو تسلیم کریں۔

(و) لیکن اگر مخاطب لوگ تمام حقیقتوں کو پس پشت ڈال کر نزاع کرنا اور جھگڑنا ہی پسند کریں تو داعی الی اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ بھی ان کی طرح ضد، عناد اور نزاع میں پڑے بلکہ وہ اللہُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحج۔ ۶۸)[1] کہہ کر الگ ہوجائے اور ان کامعاملہ خدا کے حوالہ کردے کہ قیامت کے دن وہی ان نزاعات کا فیصلہ کرے گا ۔ واللہ اعلم

---

[1] تمہارے عمل کو جو تم کررہے ہو خدا خوب جانتا ہے ۔

اهل شرک :

اِتَّبِعْ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَاۤ اَشْرَکُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْہِمْ حَفِیْظًا ۚ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْہِمْ بِوَکِیْلٍ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًۢا بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ کَذٰلِکَ زَیَّنَّا لِکُلِّ اُمَّۃٍ عَمَلَہُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰی رَبِّہِمْ مَّرْجِعُہُمْ فَیُنَبِّئُہُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ (الانعام۔۱۰۶ تا ۱۰۸)

(اے نبی) تمہارے پروردگار کی طرف سے جو کچھ تم پر وحی کی گئی ہے، تم اس کی پیروی کرو کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف اسی کی ذات ۔ اور کنارے کرو مشرکین سے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو (وہ اس کی قدرت رکھتا ہے کہ انسان کو اس طرح بنا دیتا کہ سب ایک ہی راہ پر چلنے والے ہوتے اور) یہ لوگ شرک نہ کرتے (لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ مشیت خداوندی کا یہی فیصلہ ہوا کہ ہر انسان) اپنی اپنی سمجھ اور اپنی اپنی راہ رکھے۔ پس تمہارا کام یہی ہے کہ سچائی کی راہ دکھا دو ۔ (انہیں جبراً اپنی راہ پر چلانا تمہارا کام نہیں ہے) ہم نے تمہیں نہ تو ان پر پاسبان بنایا ہے (کہ ان کی رائے اور عمل کی نگرانی کرو) اور نہ تمہارے حوالے ان کی ذمہ داری ہے (کہ ان کے نہ ماننے کا کوئی الزام تم پر آئے)۔

اور (مسلمانو!) جو لوگ خدا کے سوا
دوسری ہستیوں کو پکارتے ہیں تم ان کے
معبودوں کے متعلق بدکلامی نہ کرو کہ پھر
وہ بھی حد سے بڑھ کر بے سوچے سمجھے
خدا کو برا بھلا کہنے لگیں ۔ ہم نے اسی
طرح ہر قوم کیلئے اس کے کاموں کو خوش
نما بنادیا (کہ ہر قوم اپنی راہ رکھتی ہے
اور اپنی ہی راہ اسے اچھی دکھائی دیتی ہے
) پھر آخر سب کو اپنے پروردگار کی طرف
لوٹنا ہے۔ اس وقت وہ ان سب پر ان کے
کاموں کی حقیقت کھول دے گا جو وہ (دنیا
میں) کرتے رہے ہیں۔“

تشریح : یعنی یہ تو حقیقت ہے کہ شرک ظلم عظیم ہے [1]۔ شرک کرنے والا خدا پر ظلم نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کرتا ہے کہ اپنی عظمت اور اپنی خود داری کو خود ہی پامال کرتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بلندی پر ہو پھر خود اپنے کو پستی کے گڑھے میں گرادے، جہاں اس کو مردار خور پرندے تکا بوٹی کردیں یا ہواؤں کے جھونکوں کی لپیٹ میں آکر برباد [2] ہوجائے ۔ اس ظلم عظیم کا نتیجہ لامحالہ ہے کہ شرک کے لئے بخشش کی گنجائش نہیں[3]۔ اور مشرک کا جنت میں داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسے اونٹ کا سوئی کے ناکے

---

[1] سورہ ۳۱ لقمان آیت ۱۳
[2] سورہ ۲۲ الحج آیت ۳۱
[3] سورہ ۴ نساءآیت ۱۱۵

میں سے نکل جانا[۵] لیکن ان تمام قباحتوں اور نفرت انگیز خرابیوں کے باوجود داعی الی اللہ کے انداز میں نفرت اور تحقیروتذلیل کی جھلک نہ ہونی چاہئیے وہ جب دعوت دے تو اس کی نظراس پر ہونی چاہئے کہ اس کائنات میں رنگ برنگی اس کے خالق اور پروردگار کی حکمت و قدرت کا ملہ کا تقاضا ہے ۔ اس چمن کی رونق ہی گلہاءرنگارنگ سے ہے ۔ اور اس کی زیبائش نہیں نکھرتی جب تک اس میں خاردار درخت اور پودے نہ ہوں ۔ پھر ظاہر ہے کہ پھول پھول ہے ۔ کانٹا کانٹاہے ۔ پھول کا جو مقام ہے وہ کانٹے کو میسر نہیں ہوسکتا۔ مگر چمن کی کیاریوں میں جس طرح پھول کا پودا اپنی تازگی میں مست ہے ۔ کانٹے کا جھاڑ بھی مگن ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ سارا چمن اسی کا ہے اور اسی کیلئے ہے۔ اس جھاڑ سے اگر پوچھا جائے تو اسے اس کا احساس نہیں کہ وہ کانٹا ہے اوردنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہے۔ اسے اگر اس کا احساس ہوتا تو وہ چمن کی کیاری کے پاس بھی نہ جاتا، بلکہ اس کی نظر میں کچھ اپنی خوبیاں ہیں۔ اس کو احساس ان خوبیوں کا ہے۔ اسی لئے وہ چمن کی کیاری میں پھوک کے پودے سے زیادہ سینہ زور ہے اور اپنی آن میں مست ہے ۔ پس داعی الی اللہ کا فرض ہے کہ دعوت اور تبلیغ کے وقت وہ اس فلسفہ قدرت کو سامنے رکھے۔ اگر وہ کانٹے کی اصلاح چاہتا ہے تو اس کو خار ہونے کا طعن دیکر اصلاح

---

[۵] سورہ ۷ الاعراف آیت ۳۹

نہیں کرسکتا ۔ بلکہ اس کی اصلاح جب ہوگی جب اس ذہنیت کی اصلاح ہوکہ وہ کانٹا ہے۔ مگر اپنے آپ کو پھول کا ہمدوش سمجھتا ہے۔ بلکہ خیابان پر پھول سے زیادہ اپنا حق جتاتا ہے۔ ۔

آیت میں اس طرف اشارہ کیاگیا ہے کہ اگر خدا چاہتا تو انسان کو بھی حیوانات کی طرح بنادیتا کہ سب اپنی حالت میں ایک ہی طرح کے ہوتے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا ۔ اس نے انسان کی طبیعت ہی ایسی بنائی ہے کہ ہر گروہ میں اپنی اپنی رائے اور اپنی اپنی پسند رکھتا ہے اور ہر گروہ کی نظر میں وہی کام اچھا ہے جو وہ کررہا ہے۔ تمہاری نظر میں اس کی رائے کتنی ہی بری ہو، لیکن اسکی نظر میں وہ ایسی اچھی ہے جیسی تمہاری رائے تمہاری نظر میں۔ پس ضروری ہے کہ اس بارے میں برداشت اور رواداری سے کام لو ۔ جو لوگ شرک و بت پرستی میں مبتلا ہیں تم انہیں دعوت حق دو مگر برا بھلا نہ کہو۔ اگر تم ان کے بتوں کو برا بھلا کہو گے تو وہ بھی خدا کو برا بھلا کہیں گے ۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ تم انہیں گالیاں دوگے وہ تمہیں گالیاں دینگے ۔ طلب حق کی بات نہیں رہے گی ۔ گالی گلوچ کی بات ہوجائے گی ۔

لامذہب کے منکر پرست اور خدا کے منکر (معاذ اللہ):

ہُوَ الَّذِی

یُسَیِّ

ِرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ
حَتّٰۤ
ی اِذَا کُنۡتُمْ فِی الْفُلْکِ وَجَرَیۡنَ بِہِمۡ بِرِیۡحٍ
طَیِّ
ِبَۃٍ
وَّ
َفَرِحُوۡا بِہَا جَآءَتْہَا رِیۡحٌ عَاصِفٌ
وَّ
َجَآءَہُمُ الْمَوْجُ مِنۡ کُلِّ مَکَانٍ
وَّ
َظَنُّوۡۤا اَنَّہُمْ اُحِیۡطَ بِہِمْ دَعَوُا اللہَ مُخْلِصِیۡنَ لَہُ
الدِّیۡنَ لَئِنْ اَنۡجَیۡتَنَا مِنْ ہٰذِہٖ
لَنَکُوۡنَنّ
َ مِنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰہُمْ اِذَا ہُمْ یَبْغُوۡنَ
فِی الۡاَرْضِ بِغَیۡرِ الْحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُکُمْ
عَلٰۤ
ی اَنۡفُسِکُم مَّتَاعَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیۡنَا

(سورۃ یونس آیت ۲۲ و ۲۳)

“وہی ہے جس نے تمہارے لئے سطح زمین پر اور سمندر میں سیرو سیاحت کا سامان کردیا ہے۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تم جہازوں میں سوار ہوتے ہو اور جہاز موافق ہوا پاکر تم کو لے اڑتے ہیں مسافر خوش ہوتے ہیں (کیسی اچھی ہوا چل رہی ہے) پھر اچانک ہوائے تند کے جھونکے آپہنچتے ہیں اور ہرطرف سے موجیں اٹھ اٹھ کر گھیرلیتی ہیں اور مسافر خیال کرتے ہیں کہ بس اب

ان میں گھر گئے (اور بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی) تو اس وقت انہیں (خدایاد آتا ہے) وہ دل کے اخلاص کے ساتھ اسے پکارنے لگتے ہیں :اے خدا اگر اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہونگے پھر (دیکھو) جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک اپنا عہدوپیمان بھول جاتے ہیں اور ناحق ملک میں سرکشی اور فساد کرنے لگتے ہیں ۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال خود تمہاری جانوں پر پڑنے والا ہے۔ یہ دنیا (چند روزہ) زندگی کے فائدے ہیں، اٹھالو پھر تمہیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے ۔ اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے کہ جو کچھ دنیا میں کرتے رہے، اس کی حقیقت کیا تھی۔"

تشریح : یہ ایک ایسی مثال ہے، اس طرح کی صورتیں انسان کی زندگی کے اتار چڑھاؤ میں اکثر پیش آتی رہتی ہیں کہ تمام ذرائع اور وسائل ختم ہوجاتے ہیں کوئی سہارا باقی نہیں رہتا ۔ فطرت انسان اس وقت بیدار ہوتی ہے ۔ وہ لامحالہ ایک بن دیکھی ہستی کی طرف متوجہ ہوتی ہے جس کو وہ قادر، کارساز اور بگڑی کا بنانے والا سمجھتی ہے، وہی خدا ہے ۔

قرآن شریف کا تقریباً ایک تہائی حصہ اس طرح کی مثالوں سے بھراہوا ہے،جن میں خود انسان کے مشاہدات، تجربات اور خود اس کے وجدانی جذبات کو پیش کرکے خداوند عالم کے وجود اور اس کی صفات قدسیہ کو ثابت کیاگیا

ہے اور داعی الی اللہ کے لئے ناقابل تردید دلائل کا ذخیرہ جمع کردیاگیا ہے ۔ مثلاً بحری سفرہی کی ایک مثال دوسرے عنوان سے سورہ بنی اسرائیل میں دی گئی ہے ترجمہ یہ ہے :

> ”اے لوگو! تمہارا رب وہ ہے جو تمہاری کار برآریوں کے لئے سمندر میں جہاز چلاتا ہے تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو، (بحری راستوں سے فائدہ اٹھاؤ) بلاشبہ وہ تم پر بڑی ہی رحمت کرنے والا ہے ۔ اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم سمندر میں ہوتے ہو اور مصیبت آلگتی ہے تو اس وقت وہ تمام ہستیاں تم سے کھوجاتی ہیں جنہیں تم پکارا کرتے ہو، صرف ایک اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔ پھر جب وہ تمہیں مصیبت سے نجات دے دیتا اور خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو اس سے گردن موڑ لیتے ہو ۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ۔ پھر کیا تمہیں اس سے امن مل گیا ہے کہ وہ تمہیں خشکی کے کسی گوشے میں دھنسادے؟ یا تم پر پتھر برسانے والی آندھیاں بھیج دے، اور تم اس حالت میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ، یا تم اس بات سے بے خوف ہوگئے ہوکہ اللہ تمہیں دوبارہ ویسی ہی مصیبت میں ڈال دے اور ہوا کا ایک سخت طوفان بھیج دے اور تمہاری ناشکری کی پاداش میں تمہیں غرق کردے، پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لئے ہم پر

دعویٰ کرنے والا ہو ۔ اور البتہ ہم نے بنی آدم
کو بزرگی دی اور خشکی اور تری دونوں
کی قو تیں اس کے تابع کردیں کہ اسے اٹھائے
پھرتی ہیں ۔ اور اچھی چیزیں اس کی
روزی کے لئے مہیا کردیں ۔ نیز جو مخلوقات
ہم نے پیدا کی ہے ان میں اکثر پر اُسے برتری
دیدی، پوری برتری جیسی کہ ہونی چاہئے ۔
(بنی اسرائیل آیت ۶۵ تا ۷۰)

طرز عمل

(الف) لَااِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (سورہ ۲ بقرہ رکوع ۲۴ آیت ۲۵۶)

”نہیں کوئی زور (جبروقہریا زبردستی) دین کی بات میں[1] کیونکہ دین کا مدار[2] اس پر

---

[1] ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمتہ اللہ ۔

[2] اذالاکراہ الزام الغیر فعلاً لایرضی بہ الفاعل وذا الایتصور الافی افعال الجوارح اما الایمان فھوعقد القلب وانقیادہ لایوجدبالاکراہ (تفسیر مظہری) وغیرہ ۔

ہے کہ دل مان لے[1] اور تسلیم کرلے[2]۔ جبر و قہر سے زبانی اقرار کرایا جاسکتا ہے ، دل سے منوایا نہیں جاسکتا۔ کوشش یہ کرو کہ دل کی آنکھیں کھلیں، گمراہی کو گمراہی اور ہدایت کو ہدایت سمجھنے لگے ۔

(ب) اِدْفَعْ بِالَّتِی ہِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِی بَیْنَکَ

---

[1] ایک مسلمان اگر اسلام سے برگشتہ ہوکر معاذ اللہ کفر اختیار کرتا ہے تو اس کی وہ سزا ہے جو باغی کی ہوتی ہے یعنی وہ واجب القتل ہے۔ لیکن ایسا شخص جس سے جبراً قہراًقرار کرالیاگیا وہ اگر اسلام سے منحرف ہوتا ہے تو کتب فقہ میں صراحت کردی گئی ہے کہ اس کو قتل نہیں کیا جائیگا ۔ بدایہ اخیرین میں ہے ولواکرہ علی الا سلام حتی حکم بالا سلام ثم رجع لم یقتل (کتاب الاکراہ) یعنی اگر مجبور کرکے مسلمان بنالیاگیا یہاں تک کہ اسلام کے احکام اس پر جاری ہوگئے (مثلاً مسلمان رشتہ دار کا ترکہ اس کو مل گیا یا کسی مسلمان عورت سے اس کا نکاح کرادیاگیا وغیرہ) پھر اس نے اسلام سے رجوع کرلیا اور عدالت میں بھی یہی بیان دے دیا کہ اس کو جبراً مسلمان بنایا گیا تھا تو مرتد کی سزا (قتل) اس کو نہیں دی جائے گی ۔ شرح میر کبیر میں یہ ضابطہ بیان کیاگیا ہے ۔ اقرار المکرہ باطل سواءکان الاکراہ باالجبر اوالقتل (شرح میر کبیر ص ۳۲۷ ج ۴) یعنی جس سے زبردستی کچھ کہلوالیاگیا اس کا یہ اقرار باطل (قطعاً ناقابل اعتبار ہے) خواہ اس کو قید کی دھمکی دی گئی ہو یا قتل کی ۔

[2] حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ قبیلہ بنی سالم میں عوف کے ایک انصاری صاحب جن کا اسم گرامی حصین رضی اللہ عنہ تھا ان کے دو لڑکے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ لڑکوں کو مجبور کریں کہ وہ اسلام لے آئیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ لَااِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (تفسیر مظہری وغیرہ) دین کی بات میں زور زبردستی نہیں ۔

وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿۳۴﴾

(حم السجدہ. ۳۴)

"برائی کا جواب دو ایسی صورت میں کہ وہی صورت سب سے اچھی (اخلاقاً سب سے زیادہ موثر) ہو تو تم دیکھو گے کہ جس سے تمہاری دشمنی تھی وہ ایسا ہوجائیگا جیسے مخلص دوست (سرگرم محبت)ہے"

(ج) وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

(نحل۔آیت ۱۲۶)

"اور اگر مخالفوں کی سختی کے جواب میں سختی کرو تو چاہئے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہے اور اگر تم نے صبر کیا (جھیل گئے اور سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا) تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لئے صبرہی بہتر ہے ۔

تشریح : (۱) قانون یہ ہے :

وَ جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (آیت ۴۰ سورہ ۴۲ شوریٰ)

"برائی کی سزا اسی جیسی برائی ہے ۔"

(۲) داعی الی اللہ اگر اس ضابطہ پر عمل کرتے ہوئے سختی کے جواب میں بالکل اتنی ہی اور اس جیسی ہی سختی کرے تو اس کے جواز سے انکار نہیں ہے مگر اس سے برائی اور سختی کا سلسلہ ختم نہیں ہوگا ۔ کیونکہ جواب میں جو چیز وجود میں آرہی ہے وہ بھی سختی اور برائی ہی ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ ابتداءً نہیں ہے جواباً ہے ۔

(۳) جب کوئی شخص مقام دعوت اپنائے ہوئے ہے تو یہ ناپ تول اس کی شان کے شایان نہیں ہے۔ اس کی شایان شان یہ ہے کہ وہ ضبط و تحمل اور صبر سے کام لے اور جواب وہ دے جو اس کی شان کے لحاظ سے بہت ہی بہتر ہو ۔

(۴) داعی الی اللہ کا نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ وہ ایسی صورت اختیار کرے اور اس کی کوشش کرے کہ برائی کا سلسلہ ختم ہو، جس کی شکل مثلاً یہ ہے کہ جو دشمن ہیں وہ سرگرم محبت دوست بن جائیں۔

(۵) یہ بات بہت اونچی ہے۔ ہر شخص اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتا ۔ اس اونچے درجہ کو وہی حاصل کرسکتا ہے جو بڑا صاحب نصب ہو ۔

(آیت ۳۵، سورہ حم سجدہ)

بدی را بدی سہل با شد جزا   اگر مردی احسن الیٰ من اسا

خلاصہ

(۱) داعی جس بات کی دعوت دے ضروری ہے کہ اس کے متعلق اس کو پورا یقین ہو، جیسے مشاہدہ کرنے والے کو اپنے مشاہدہ کا یقین ہوتا ہے اور وہ اس پر شاہد ہوتا ہے ۔

(۲) ضروری ہے کہ داعی کی فطرت بااحساس ہو، ہمدرد اور غم خوار ہو۔ اس کے اندر شفقت ہو، درد ہو، سوز ہو، گداز ہو، وہ شمع یا چراغ کی طرح ہو ۔

(۳) دعوت اس کے درد کا فغان ہو ۔ اس کے

سوز دروں کا شعلہ ہو ۔

(۴) داعی مشفق طبیب کی طرح ہو اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ داعی اس شفقت اور اس ہمدردی اور خیرخواہی کا پیکر اور مجسمہ ہو جو شفقت و ہمدردی باپ کو اپنی اولاد سے ہوتی ہے ۔

(۵) باپ کی تمنائیں اچھی ہی ہوتی ہیں۔ وہ اپنی اچھی تمناؤں کا خواب دیکھتا ہے تو اولاد کو بشارت بھی دیتا ہے کہ یہ کرلوگے تو اعلیٰ درجہ پالو گے اور یہ بات بہت ہی درد اور دکھ کی ہوتی ہے کہ اولاد ناہنجار اور بدکار ہو، یہ اس کی بدکاری کو دیکھ کر گھٹے، رنجیدہ ہو اور اولاد کو اس کی بدکاری کے خطرناک نتائج پر بار بار آگاہ اور متنبہ کرے ۔

پس باپ اپنی فطری تمناؤں کے لحاظ سے پہلے مبشر ہوتا ہے اور نذیر مجبوراً ہوتا ہے ۔ یہی شان داعی کی بھی ہوگی ۔ وہ پہلے مبشر ہوگا اور نذیر بدرجہ مجبوری ہوگا ۔

(۶) دعوت کا انداز سنجیدہ اور دانش مندانہ ہو ۔ وہ مخاطب کو جانچے، تولے، پرکھے پھر اس کی صلاحیت کے بموجب دعوت کا طرز اختیار کرے ۔ اہل دانش سے دانش مندانہ، عوام سے ان کے حال کے بموجب وعظ و پند اور خیرخواہانہ نصیحت کا اسلوب اختیار کرے ۔ اور جو بحث کے شوقین ہوں ان سے گفتگو مدلل ہو ۔

(۷) مخاطب کے مذہب کے لحاظ سے بھی

دعوت کا انداز جدا جدا ہوگا ۔ اہل کتاب کو دعوت اور طرح دی جائے گی، مشرک کو اس کے بموجب اور منکرین خدا، عقل پرستوں سے افہام و تفہیم کا طرز وانداز جدا ہوگا ۔[۵]

(۸) داعی کے مزاج میں ضبط وتحمل ہو، وہ گستاخیوں اور سختیوں کو برداشت کرے، کڑوی بات کا جواب میٹھے بول سے دے ، مخالف کو موافق اور دشمن کو دوست بنائے ۔

(۹) داعی الی اللہ کا تعلق اپنے رب سے (جس کی طرف وہ دعوت دے رہا ہے) مضبوط ہو، اس کا اعتماد اور بھروسہ خدا پر ہو، وہ دعوت کو اپنا ایک فریضہ سمجھے جس کی ادائیگی اس کے ذمہ ہے ، نتیجے خدا کے حوالے کردے ۔

”محمد رسول اللہﷺ داعی اعظم بلکہ تمام داعیان حق کے امام و مقتدا تھے قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیتیں اور اس طرح کی بہت سی آیتیں شہادت دے رہی ہیں کہ داعی الی اللہ کے جملہ اوصاف وخصوصیات بدرجہ اتم و اکمل آنحضرتﷺ کے اندر موجود تھے ۔“

---

[۵] نمبر ۶ و ۷ پر عمل جب ہی ہوسکے گا جب مخاطب کے مذہب سے واقفیت ہو ۔ دعوت و تبلیغ کا نظام قائم کرنا اجتماعی فریضہ ہے ۔ یہ ضروری نہیں کہ ہرایک داعی جملہ مذاہب سے واقف ہو، لیکن جس حلقہ کو دعوت کے لئے منتخب کیا جائے اس کے لئے داعی معین ہوں، اور وہ اس حلقہ کے مذہبی رحجانات ' معاشرتی رسومات و میلانات اور جذبات سے واقف ہوں ۔

(”کان خلقہ القرآن“ عائشہ صدیقہ ضاللہعنہا)

بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات باجود منبع اور مرکز تھی ۔ اوصاف داعی اور خصوصیات دعوت اس سے اخذ کئے جاتے ہیں ۔

حضرت حق جل مجدہ نے جب آپ کو تمام امتوں اور پوری کائنات انسانی کے لئے داعی بنایا تو ہر ایک فرقہ اور ہر ایک گروہ سے خطاب کرنے کا طریقہ بھی بتادیا ۔ قرآن حکیم ان سب کا مجموعہ ہے ۔ چند مثالیں اوپر گزرچکی ہیں ۔

دعوت الی اللہ کی دشوارگذار گھاٹی “جہاد فی سبیل اللہ”

یقیناً دعوت الی اللہ کے سلسلہ میں کوئی جبر وقہر اور کوئی زبردستی نہ ہونی چاہئے ۔ بے شک داعی حق کا کام صرف یہ ہے کہ دلوں کے دروازوں پر دستک دیدے ۔ اگر کوئی نہیں کھولتا تو بلاشبہ اس کو حق نہیں کہ کسی دروازہ کو زبردستی کھولے یا کسی دریچہ کو توڑے ۔

یہ بھی درست ہے کہ داعی الی اللہ کو صبر و تحمل اور مسلسل برداشت سے کام لینا چاہئے ۔ لوہے کے کنگھے سے اس کا گوشت کھرچا جائے، اس کی بوٹیاں نوچی جائیں، اس کو کھولتے ہوئے کڑھائی میں ڈال دیا جائے، اس کے سرپر آرہ رکھ کر پورا بدن چیر کر دوٹکڑے کردیئے جائیں، تو اس کا کمال یہی ہے کہ وہ ضبط و تحمل، صبر اور برداشت سے کام لے، ظالم کے حق میں یہی دعا کرے، اللّٰھم اھد

قومی فانھم لایعلمون (اے اللہ میری قوم کو سیدھا راستہ دکھادے، وہ مجھے جانتے نہیں ہیں)۔ لیکن اگر شکل یہ ہوکہ مخلوق خدا ظلم کی چکی میں پیسی جارہی ہو، رائے کی آزادی سلب کرلی گئی ہو، پیٹ کو اگرچہ آسودگی میسر ہو مگر ضمیر کی آزادی پر تالے پڑے ہوئے ہوں، طائر فکر کو آہنی قفس میں گھونٹ دیاگیا ہو، ایک شخص کا ضمیر ایک بات کو حق سمجھتا ہو، وہ مضطراور بے چین ہو کہ اس حق کو قبول کرالے، مگر اس کو مجبور کیا جارہا ہوکہ وہ اپنے ضمیر کے فیصلے پر عمل نہ کرے، وہ حق کو حق نہ سمجھے بلکہ غلط اور باطل کو حق سمجھے ۔ اگر وہ اپنے ضمیر کے فیصلے پر عمل کرے اور باطل کے دائرے سے نکلنا چاہے تو پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھولے، پہلے پھانسی کا پھندا گلے میں ڈالے ۔ پھر قدم بڑھانے کا ارادہ کرے ۔

اگر صورت حال یہ ہو تو کیا داعی حق کا فرض اب بھی یہی ہوگا کہ وہ ظلم کے شعلوں کو بھڑکتا ہوا دیکھتا رہے ۔ اور ان کو بجھانے کی کوشش نہ کرے ۔ وہ مظلوموں کو جھلستا ہوا دیکھے اور ان کی آہیں سنے اور اپنی جگہ سمٹا ہوا بیٹھا رہے، ظالم کا ہاتھ روکنے کی کوشش نہ کرے ۔ اگر اس وحشت انگیز صورت حال کو ختم کرنے کے لئے داعی کے پاس کوئی چارہ کار نہیں ہے تو اس کی دعوت کا پروگرام ناقص ہے، ادھورا ہے، ناقابل قبول ہے۔

اگر داعی کی دعوت کا تعلق کسی خاص گروہ سے ہے اور اسی گروہ کے نجات دہندہ کی حیثیت سے ظہور پذیر ہوا ہے تب بھی ممکن ہے کہ اس گروہ کے علاوہ باقی مخلوق سے اس کا کوئی واسطہ نہ ہو، کوئی ظالم ہو یا مظلوم، لیکن اگر داعی سارے جہان کا درد اپنے دل میں لے کر آیا ہے ، اس کی خیرخواہی اور خیراندیشی کا رشتہ پوری نوع انسان اور نوع انسان کے ہر طبقہ سے جڑا ہوا ہے، اس کا نصب العین یہ ہے کہ تمام دنیا جہان کیلئے رحمت ہو، ہر ایک کے درد کا درمان اور ہر ایک کے دکھ کا علاج ہو، تو لامحالہ اس کا فرض ہوگا کہ وہ ظالم کی اس چیرہ دستی کو ختم کرے اور مظلوموں کی آہ وبکا اور گریہ وزاری کو قلب مضطر کے کانوں سے سنے وہ ان کی فریاد رسی کے لئے اٹھے اور اس عزم کے ساتھ اٹھے کہ

یاجاں رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

یہی وہ جدوجہد ہے جو داعی پر بحیثیت داعی فرض ہے اور جس کو اسلام جہاد فی سبیل اللہ کہتا ہے ۔

تمام جہانوں کا رب اور ساری مخلوق کا پروردگار اہل ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے :

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ (سورہ

”اور مسلمانو ! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد ہیں، کتنی ہی عورتیں ہیں، کتنے ہی بچے ہیں (جو ظالموں کے ظلم سے عاجز آکر) فریاد کررہے ہیں، خدایا ہمیں اس بستی[1] سے جہاں کے

---

[1] نزول آیت کے وقت یہ حالت مکہ کی تھی کہ وہاں بہت سے مسلمان مشرکین مکہ کے ظلم و ستم کا تختہ مشق بنے ہوئے تھے ۔ ابوجہل کے حقیقی بھائی حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ ان کے ماں شریک بھائی عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ اور مکہ کے رئیس اعظم ولید بن مغیرہ کے لڑکے کہ ان کا نام بھی ولید ہی تھا (ولید بن الولید) مسلمان ہوگئے تھے ۔ ان کو باندھ کر ڈال دیا گیا تھا کہ ہجرت نہ کرسکیں ۔ اس طرح اور بھی عورتیں اور مرد تھے جو مجبور و مقہور تھے اور مکہ سے نکل نہیں سکتے تھے ۔ آنحضرت ﷺ نمازوں میں ان کے لئے دعا کیا کرتے تھے (بخاری شریف ص ۱۱۰ و ص ۱۳۶ ص ۹۴۶ وغیرہ)۔ لیکن ظاہر ہے آیت میں مکہ کی قید نہیں۔ جب بھی اور جہاں بھی یہ صورتحال ہوتو مسلمانوں کو جہاد کی ہدایت کی گئی ہے ۔ بیشک دور حاضر کا بین الاقوامی قانون یہ ہے کہ کسی مملکت کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا کسی دوسرے ملک کو حق نہیں ہے۔ مگر ظاہر ہے یہ بین الاقوامی قانون انسانی ہمدردی اور خلق خدا کے فلاح و بہبود کے جذبہ سے ناآشنا ہے، کیونکہ دور حاضر کی حکمراں قوموں کا نصب العین صرف یہ ہے کہ ان کا اقتدار باقی رہے اور عظمت کے جس مینارہ پر وہ رونق افروز ہیں اس میں جنبش نہ آئے ۔ بیشک ان قوموں کے افراد میں خلق خدا کی ہمدردی کا جذبہ موجود ہے اور اسی جذبہ کی بنا پر ان کے یہاں بہت سے خیراتی ادارے اور بڑے بڑے خیراتی فنڈ قائم ہیں ۔ مگر ان کی حکومتوں کا نصب العین نہ خلق خدا کی خدمت ہے نہ انسانی ہمدردی، نہ کوئی اخلاقی اور روحانی دعوت ان کے مقاصد میں داخل ہے۔ یہی سبب ہے کہ ممالک کی

باشندوں نے ظلم پر کمر باندھ لی ہے، نجات دلا ۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا کارساز بنادے او کسی کو مدد گاری کے لئے کھڑا کردے ۔“

یہ ہے جہاد فی سبیل اللہ ۔ کیا اس کو دعوت الی اللہ کا ایک نہایت ضروری شعبہ نہیں کہاجائیگا۔ اور کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ دعوت الی اللہ بے دست و پا رہے گی، جب تک اس میں قوت مقابلہ نہ ہو جو ظالم کے ہاتھ روک سکے اور مظلوموں کو نجات دلانے کے لئے اقدام بھی کرسکے ۔

یہ جہاد کب تک رہے گا ؟ رب العالمین نے اس کی یہ حد بیان فرمائی ہے ۔

وَقَاتِلُوۡ ہُمۡ حَتّٰی لَا تَکُوۡنَ فِتۡنَۃٌ وَّ یَکُوۡ نَ الدِّیۡنُ کُلُّہٗ لِلِہ

(سورہ الانفال آیت ۳۹)

”ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ ظلم و فساد[1] باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ[2] اللہ

اندرونی تحریکات خواہ کتنی ہی انسانیت کش اور ہلاکت انگیز ہوں مگر بین الاقوامی پنچایت کوئی مداخلت نہیں کرتی۔ اسلام اس سنگدلی کو برداشت نہیں کرتا ۔

[1] آیت میں لفظ فتنہ ہے یعنی لڑتے رہو جب تک فتنہ نہ رہے ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ نے اس کی تفسیر یہ فرمائی : کان الاسلام قلیلا کان الرجل یفتن فی دینہ اماقتلوہ واما یعذ بوہ حتی کثرالاسلام فلم تکن فتنۃ۔ بخاری شریف ص ۶۴۸ یعنی مسلمان تھوڑے تھے، جو شخص مسلمان ہوتا وہ اپنے دین کے بارے میں مصیبت میں مبتلا ہوجاتا تھا یا اس کو قتل کردیتے تھے یا عذاب میں مبتلا کردیتے تھے یہاں تک کہ اسلام کی کثرت ہوگئی تو یہ فتنہ نہ رہا ۔ یعنی مخالفین دین کا ظلم و فساد نہیں رہا ۔

ہی کے لئے ہوجائے (انسان کا ظلم❸ اس میں مداخلت نہ کرسکے)ہے“

خطابات و عمومی ارشادات

مکہ معظمہ سے تشریف لاکر چند روز قبا میں قیام رہا ، پھر جمعہ کے روز قبا سے روانہ ہوئے تو قبیلہ بنی سالم بن عوف کے میدان ❹ میں جمعہ کی نماز ❺ پڑھی ، پھر آپ مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے ، ان مقامات پر آپ نے جو تقریریں فرمائیں مورخین نے ان کو جمع کیا ہے ، وہ تقریریں ابن اسحاق نے نقل ❻کی ہیں ، ان کا

---

❷ یعنی اعتقاد کی آزادی حاصل ہوجائے اور دین کا معاملہ جس کا تعلق صرف اللہ سے ہے خدا اور انسان کا باہمی معاملہ ہوجائے انسان کے ظلم و تشدد کی مداخلت باقی نہ رہے ۔

❸ اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ ملک جہاں اس طرح کا بیجا دباؤ اور ظلم و زیادتی ہو وہ اسلامی حکومت کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہوئے باجگذار ہوجائے یا وہ افراد جو اس طرح کے ظلم میں شریک اور اس کے معاون و مددگار ہیں اسلامی حکومت کے تحت میں آکر حفاظتی ٹیکس (جزیہ) ادا کرنے لگیں، حکومت ان کی جان و مال کی عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ دار ہوجائے ، سورہ ۹ توبہ آیت ۲۸ میں اس کا تذکرہ فرمایا گیا ہے ۔

❹ اس میدان کانام وادی رانوا ناء ہے ، البدایہ والنہایہ ص ۲۱۲ ج ۳

❺ اس موقع پر جو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا حافظ ابن کثیر نے ابن جریر کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے ملاحظہ ہو ص ۳۱۲ البدایہ والنہایہ جلد ۳ یہ طویل خطبہ ہے اس کے کچھ حصہ خطبات ماثورہ میں بھی دیئے گئے ہیں

❻ سیرۃ ابن ہشام ص ۳۰۰ و ص ۳۰۱ ج ۱

ترجمہ یہاں پیش کیاجارہا ہے ۔
(۱)

”ایہاالناس ! (اے لوگو) خوب سمجھ لو، کچھ پہلے سے بھیج دو، جو خود تمہارے کام آئے گا۔ خدا کی قسم یقیناً ایسا ہوگا کہ ہر شخص پر (قیامت کی) بے ہوشی طاری ہوگی (جس کے پاس جو کچھ ہے یہیں رہ جائے گا) بکریوں والا بکریاں چھوڑ جائے گا ان کا کوئی گلہ بان نہ ہوگا ۔ وہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوگا یقیناً ایسا ہوگا کہ اس کا پروردگار براہ راست اس سے خطاب فرمائے گا، نہ کوئی بیچ میں ترجمان ہوگا نہ کوئی رکاوٹ کی چیز درمیان میں حائل ہوگی (جو اس کے لئے آڑ بن سکے) اس کا پروردگار کہے گا : کیا میرے رسول نے تمہارے پاس پہنچ کر تبلیغ نہیں کی تھی، کیا یہ تمام باتیں تمہیں نہیں بتادی تھیں، کیا میں نے تجھ کو مال نہیں دیا تھا ؟کیا تیرے اوپر میں نے اپنا فضل نہیں کیا تھا، پس بتاتو خود اپنے لئے کیا لے کر آیا ہے ؟ یہ شخص اپنے دائیں دیکھے گا، اپنے بائیں دیکھے گا، اسکی دولت کا کہیں نام و نشان نہ ہوگا، وہ آگے کی طرف نظرڈالے گا وہاں دہکتے ہوئے جہنم کے سوا کچھ نظر نہ آئے گا ۔ بس دیکھو دوزخ کی آگ سے اپنے آپ کو بچاؤ، جو کچھ امکان میں ہو خرچ کرو اور اپنے آپ

کو دوزخ سے بچاؤ ، کچھ نہ ہو چھوارے کا ایک ریزہ ہو، وہی خرچ کرو، جس کے پاس یہ بھی نہ ہو وہ میٹھے بول، اچھی بات سے غریبوں کی دلداری کرے، اس کا بھی اس کو ثواب ملے گا ۔ نیکی کا ثواب دس گنے سے شروع ہوتا ہے اور سات سو گنے تک پہنچتا ہے۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ“

(۲)

” بیشک تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں ۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں اس سے مدد مانگتا ہوں، ہم اپنے نفسوں کی شرارت سے اور اپنے اعمال بد کے شر سے خدا کی پناہ لیتے ہیں۔ جس پر اللہ تعالیٰ ہدایت کے راستے کھول دے، پھر کوئی اس کو گمراہ نہیں کرسکتا، اور جس کو بھٹکا دے تو کوئی نہیں ہے جو اس کو سیدھی راہ پر لگاسکے ۔

میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ وہ تنہا ہے اور اسکا کوئی شریک نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ساجھی نہیں ہے۔ بیشک سب سے اچھا کلام کتاب اللہ ہے ۔ یقیناً وہ شخص کامیاب ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ اپنے کلام کو سجادے اور جس کو اللہ تعالیٰ کفر سے ہٹاکر اسلام میں داخل کردے ۔ یقیناً وہ شخص کامیاب ہے جس نے

انسانوں کے کلام اور ان کے قصوں کے مقابلے میں اللہ کے کلام کو منتخب کیا ہو، کیونکہ کلام اللہ ہی سب سے بہتر بات، سب سے بہتر کلام، اور سب سے بلیغ قصہ ہے ۔

(دیکھو) اس سے محبت کرو، جو اللہ سے محبت کرتا ہے (دیکھو) خدا سے محبت کرو، دل کی گہرائی سے اپنے دلوں کو اسی میں لگادو۔ اللہ کے کلام اور اس کے ذکر سے نہ اکتاؤ ۔ تمہارے دلوں میں یہ سختی ہرگز نہ ہو کہ تم اس کی یاد سے غافل ہوجاؤ ۔

(یاد رکھو اور سمجھ لو) اللہ تعالیٰ جو مخلوق پیدا کرتا ہے اس میں سے کچھ کو منتخب کرکے اپنے لئے مخصوص کرلیتا ہے ۔ جو اعمال اس کو پسند ہیں جن بندوں کو وہ پسند کرتا ہے جو بات اس کو پسند ہے، اس نے نام لیکر ان کو بتادیا ہے اور معین کردیا ہے (تم بھی اسی کو پسند کرو)اس نے حلال اور حرام کو کھول کربتادیا ہے ۔ بس اللہ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ گردانو، پورا پورا تقویٰ کرو، تمہاری زبان سے جو باتیں نکلتی ہیں ان میں یہ خوبی پیدا کرو کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی تصدیق ہو، وہ اس کی مرضی کے مطابق ہوں۔ اللہ کی بھیجی ہوئی روح (ذات اقدس محمد

رسول اللہ ﷺ) تمہارے درمیان ہے اس سے پوری پوری محبت کرو، تمہاری فطرت اپنے رب سے ایک عہد کئے ہوئے ہے (کہ رب وہی ہے اس کے سوا کوئی رب نہیں ہے) اس عہد کو پورا کرو ۔ اللہ تعالیٰ کا غضب اس پر نازل ہوتا ہے کہ اس عہد وپیمان کو توڑا جائے، جو فطرت انسان اپنے رب سے کئے ہوئے ہے ۔“

مدینہ طیبہ میں سب سے پہلا خطبہ جمعہ

حافظ عماد الدین ابن کثیررحمۃاللہعلیہ نے ابن جریر کے حوالے سے وہ پورا خطبہ نقل کیا ہے جو آنحضرت ﷺنے بنی سالم بن عمرو بن عوف میں نماز جمعہ کے وقت ارشاد فرمایا تھا۔ ہم اس خطبے کو تبرکا پورا نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد ترجمہ بھی کردیاگیا ہے ۔ ائمہ صاحبان جمعہ کے روز یہ خطبہ پڑھیں تو نور علیٰ نور و سعادت بالا سعادت کا مصداق ہو :

خطبۃ التقویٰ :

ترجمہ: “میں اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں، اس سے مدد کی درخواست کرتاہوں، گناہوں کی مغفرت چاہتا ہوں اور نیک ہدایت کی التجا کرتا ہوں ۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں، میں اس ذات برحق کا منکر نہیں ہوں، میں اس کا دشمن ہوں جو اس ذات برحق کا انکار کرے۔ میں شہادت

دیتاہوں کہ اللہ جو یکتا اور تنہا ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے اس خدا کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ محمدﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں ۔[1] اللہ تعالیٰ نے اپنے اس رسول محمد کو ہدایت، دین حق، نور کامل اور پندونصیحت اور حکمت و دانش کی نعمتیں سپردکرکے ایسے وقت مبعوث فرمایا کہ صدیاں گزر گئی تھیں، سلسلہ رسالت منقطع ہوچکا تھا، علم مولیٰ ناپید اور مفقود تھا ،گمراہی کی گرم بازاری تھی، نور ہدایت پر اندھیری چھائی ہوئی تھی۔ (دوسری طرف حالت یہ ہے کہ) یہ دنیا جس کو زمانہ کہتے ہیں اس کا سلسلہ ازل سے چل رہا ہے اب ٹوٹنے کے قریب ہے ۔ قیامت سرپر ہے اور اس عالم کی آخری میعاد ختم ہورہی ہے (اب اللہ تعالیٰ کا کوئی اور پیغام آنے والا نہیں ہے) اب جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے ہدایت اور کامیابی حاصل کرلی اور جو اللہ اور اس کے رسولﷺکی اطاعت سے روگردانی کررہا ہے وہ گمراہ ہے اپنا فرض ادا کرنے میں حد سے زیادہ کوتاہی کررہا ہے اور صحیح راستہ سے بہت دور بھٹک رہا ہے ۔

---

[1] اپنے رسول اور نبی ہونے پر یقین رکھنا نبی اور رسول کو بھی ضروری ہے ۔ گورنر فرائض منصبی جب ہی ادا کرسکتا ہے جب اس کو اپنے گورنر ہونے کا یقین ہو اور خود بھی اپنے آپ کو گورنر مانتا ہو، اس کے بغیر اپنے فرائض کا احساس نہیں کرسکتا ۔ یہ تکبر نہیں ہے بلکہ اعتراف ہے ۔

اے لوگو! میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کرنے کی وصیت کرتا ہوں[0] اور دیکھو سب سے بہتر نصیحت جو ایک مسلمان دوسرے کو کرے یہی ہے کہ اس کو آخرت پر آمادہ کرے (یعنی ایسے کاموں کا شوق دلائے جو مرنے کے بعد کار آمد ہوں) اور یہ کہ خدا ترسی کی ہدایت کرتا رہے اور تاکید کرتا رہے کہ پرہیز گاری اور پارسائی کی زندگی اختیار کریں ۔

اے لوگو! ان باتوں سے پرہیز کرو جن سے بچنا اور پرہیز کرنا اتنا ضروری ہے کہ خد اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے ان سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ اس سے افضل کوئی نصیحت ہوسکتی ہے اور نہ کوئی تذکیر اور یاددہانی اس سے زیادہ ضروری اور مفید ہوسکتی ہے ۔

دیکھو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کرنا اور اس طرح تقویٰ کرنا کہ دل لرزرہا ہو اور خوف خدا ذہن و دماغ پر چھایا ہوا ہو ۔ یہ تقویٰ ایک عمل کرنے والے کے لئے بہت بڑا معاون اور بہت بڑا مددگار اور نہایت مخلص رفیق ہے ۔

اور جو شخص ظاہر و باطن میں اپنا معاملہ اللہ سے درست کرلے جس سے مقصود محض رضا خداوندی ہو، کوئی دنیاوی غرض اور مصلحت پیش نظر نہ ہو، تو یہ ظاہر و باطن کی

---

[0] یعنی درد مندانہ نصیحت جس میں وہ اخلاس ہو جو ایک مرنے والے کے قول میں ہوسکتا ہے جب آخری منزل میں ہوتا ہے اور عقوبت کا نظارہ اس کے سامنے ہوتا ہے ۔

مخلصانہ اصلاح دنیا میں اس کے لئے باعزت یادگار، اور مابعد الموت کے لئے بہترین ذخیرہ ہے۔ جس وقت انسان ان اعمال کا سب سے زیادہ ضرورت مند ہوگا جو اس نے پہلے سے بھیجے ہوں ۔

(دیکھو) (خدا ترسی اورظاہر و باطن کی اصلاح کی کوشش کار آمد چیزیں یہی ہیں جو مرنے کے بعد انسان کی بہترین رفیق ہوں گی) ان کے علاوہ جو بھی ہے وہ انسان کے لئے یہاں تک بے کار ہے کہ قیامت کے روز انسان تمنا کرے گا کہ کاش اس عمل کے اور میرے درمیان مدت دراز کی مسافت ہوتی ۔

یاد رکھو ! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے اس کی بے انتہا مہربانی اور اس کے بے پایاں رحم و کرم ہی کا تقاضا ہے کہ وہ خود اپنی ذات کا تم کو خوف دلارہا ہے (کہ تم غافل، لا ابالی، نفس پرست نہ بنو کہ اللہ کے عذاب کے مستحق ہوجاؤ کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہوتا ہے اس کی طاقت بھی بے پایاں ہے جس کو عذاب دینا چاہے تو کوئی نہیں جو اس کے عذاب کو روک سکے)

اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ اس کا قول حق ہے، جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے جو وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے اس میں خلاف نہیں ہوتا ۔ اس کا ارشاد ہے کہ اس کی بات پلٹی نہیں جاتی اور وہ بندوں پر ظلم بھی نہیں کرتا ۔ پھر وہی بات ہے۔ اللہ سے تقویٰ کرو، موجودہ وقت اور حالت

میں بھی اور مستقبل میں بھی، پوشیدہ بھی اور اعلانیہ بھی۔ جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ فرماتا اور اس کے اجر کو بڑھاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کرے وہ کامیاب پورا پورا کامیاب، بہت بڑی کامیابی کے ساتھ کامیاب ۔

غرض یہ ہے کہ ہر صورت خوف خدا کو سامنے رکھو ۔ خوف خداوند اکسیر ہے جو عذاب خدا سے بچاتا ہے اس کی سزا اور اس کی ناراضی سے محفوظ رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے تقویٰ کرنا اور خوف خدا وہ تریاق ہے جو چہرے کو روشن کردیتا ہے، رب کو راضی کرتا ہے اور درجے کو بلند کرتا ہے۔ پس جہاں تک ممکن ہو تقویٰ کا حصہ پورا پورا حاصل کرو اور دیکھو بارگاہ رب العزت کے حق میں کوتاہی مت کرو، اللہ تعالیٰ کے اس احسان عظیم کی قدر کرو کہ اس نے اپنی کتاب میں تمہیں کامل و مکمل تعلیم دی ہے ۔ تمہارے لئے واضح طور پر راستے مقرر کردیا ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لئے کردیا کہ جھوٹے اور سچے کھل کر سامنے آجائیں۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان فرمایا ہے تم بھی احسان کرو۔ تمہارا احسان یہ ہے کہ خود اپنے افعال اور اعمال کو درست کرو، اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی رکھو، اس کے دشمنوں کو اپنا دشمن جانو، وہی رب العزت ہے وہی مولا برحق ہے جس نے تمہیں اپنے دین کامل کے لئے منتخب فرمایا : تمہارا نام

مسلم رکھا تاکہ جو برباد ہوتو اس حالت میں برباد ہو کہ کھلی حجت اس کے سامنے ہو، اس کو یہ عذر نہ رہے کہ اس کے سامنے بات واضح نہ ہوسکی اور جو زندہ رہے تو اس طرح زندہ کہ اپنے زندہ رہنے کی دلیل اور حجت اس کے پاس ہو ولا حولَ ولا قوة الابـاللّٰہ (اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر ہماری نہ کوئی فکری طاقت ہے نہ عملی قوت)"

دیکھو مختصر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو اور مابعدالموت کے لئے عمل کرتے رہو ۔(اور پوری طرح سمجھ لو) کہ جو بندہ اس رشتہ کو درست کرلیتا ہے جو اس کے اور اس کے پروردگار کے مابین ہے تو خود اللہ تعالیٰ ذمہ دار بن جاتا ہے کہ ان معاملات کو درست کردے جو اس بندے اور دوسرے انسانوں کے درمیان ہیں ۔

(بات صاف ہے) اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے وہ انسانوں پر حکومت کرتا ہے اور انسانوں کے حق میں اپنے فیصلے نافذ کرتا ہے ۔ انسان اپنے پروردگار کے مالک نہیں ہیں، نہ انہیں خالق ارض و سما کی کسی بات پر کوئی قابو ہے۔ کبریائی اور عظمت صرف اللہ کے لئے ہے ۔ ہم میں نہ کوئی طاقت ہے نہ قوت ہے جو کچھ قدرت و طاقت ہے وہ خدا کی مہربانی اور اس کی مدد سے ہے جو بلند وبالا اور بہت بڑی شان والا ہے ۔

مقام فکر اور دلیل صداقت

ان تمام خطبوں پر ایک دفعہ اور نظر ڈالئے ۔ موضوع خطاب کیا ہے، بار بار زور کس بات پر دیاجارہا ہے ۔

خدا کا خوف ۔ اللہ سے ظاہر و باطن ہر طرح سے ڈرتے رہنا، ظاہر و باطن کی اصلاح، اللہ کو یاد رکھنا اور کثرت سے یاد کرنا۔

غورفرمایئے یہ خطبے کب دیئے جارہے ہیں ؟ یہ خطبے خاص اس وقت جب مخالفین تحریک اور دشمنان اسلام کی منصوبہ بند کوششوں سے جان بچاکر سانس لینے کا پہلا موقع ملا ہے جبکہ آپ کا سرقلم کرنے والوں یاگرفتار کرنے والوں کے لئے بڑے سے بڑے انعام کا اعلان فضا میں گونج رہا ہے ۔

اول سے آخر تک خطبوں کے ایک ایک حرف پر نظرڈال لیجئے ۔ کیا کہیں کوئی ایک لفظ، کوئی اشارہ، کوئی کنایہ بھی ان دشمنوں کی طرف ہے ؟

ان تیرہ سالہ زندگی کی بے پناہ اور مسلسل مصیبتوں کا جو خود اپنے عزیزوں اور اہل قبیلہ کی طرف سے ڈالی گئی تھیں کیا کوئی ذکرہے ؟

غور فرمایئے ! وسعت ظرف، علوحوصلہ، بلندی ہمت،

سوچئے ! کیا ایسی ذات بابرکات کے متعلق کہاجاسکتا ہے کہ اس نے خدا کے نام پر جھوٹ بولا۔ (معاذ اللہ)

ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیے